فوائد رکنی

تصنیف

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ

(المتوفی ۷۸۲ھ)

ناشر مکتبہ شرف بیت الشرف خانقاہ معظم بہار شریف

فوائدِ رکنی

تصنیف

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں

شیخ شرف الدین احمد یحی منیری قدس سرہ

(۶۶۱ھ — ۷۸۲ھ)

(۱۲۶۳ء — ۱۳۸۰ء)

مترجم

ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی

مکتبۂ شرف بیت الشرف خانقاہ معظم

بہار شریف (نالندہ)

فوائد رکنی	:	از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ
مترجم	:	ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
زیر اہتمام	:	جمال احمد فردوسی
کتابت کمپیوٹر	:	کیریر کمپیوٹر مینجمنٹ، ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵
ناشر	:	مکتبۂ شرف بیت الشرف خانقاہ معظم بہار شریف (نالندہ)
مطبع	:	بھارت آفسیٹ پریس دہلی۔٦
قیمت	:	۵۰/- روپے

ملنے کے پتے :

☆ مکتبۂ شرف خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ
☆ نعمت کریم اسٹور، جامع مسجد، بہار شریف، نالندہ
☆ پرویز بک ہاؤس، سبزی باغ، پٹنہ
☆ سہراب بک ڈپو، جامع مسجد، ریلوے اسٹیشن، پٹنہ جنکشن
☆ خانقاہ فردوسیہ ۱۸ الگنٹن اسٹریٹ کلکتہ۔ ۷۰۰۰۱۴
☆ دارالاشاعت اسلامیہ نمبر ۸۷ کولوٹولہ اسٹریٹ۔ کلکتہ۔ ۷۳

خط و کتابت:

مکتبۂ شرف بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ (بہار)

فہرست کتب

پیش لفظ

(از — مترجم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِكَ وَرِضَاءَ نَفْسِكَ وَزِنَةَ عَرْشِكَ وَمِدَادَ کَلِمَاتِكَ٥

فوایدِ رکنی کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ فقیر نے اس کتاب کے ترجمہ کا کام بہت پہلے شروع کیا تھا لیکن اپنی غیر معمولی مشغولیت کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا سکا۔ جب ۱۴۱۸ ہجری میں فریضۂ حج اور زیارت روضہ منورہ کا ارادہ ہوا تو سفر سے چند مہینے پہلے اس کتاب کا پھر خیال آیا اور دل میں منجانب اللہ یہ بات پیدا ہوئی کہ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ نے زایر حرمین شریفین حاجی رکن الدین کی گزارش پر اپنے دست مبارک سے یہی چند فواید تحریر کر کے عنایت فرمائے تھے کہ سفر و حضر میں ان کا مونس بنیں۔ کیوں نہ میں بھی اس کتاب کا ترجمہ جلد مکمل کرلوں تاکہ اس فقیر کے لئے بھی یہ کتاب سفر میں رہبری کا ذریعہ بنے۔ اسی خیال نے اس کتاب کے ترجمہ کو مکمل کرنے میں تحریک کا کام کیا اور الحمد للہ ترجمہ مکمل ہو گیا۔ جب زیب سجادۂ مخدوم جہاں حضرت جناب حضور سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی **متع اللہ المسلمین بطول بقائہ** نے اس ترجمہ کو دیکھا تو بے حد پسند فرمایا۔ تعریف و تحسین کے ساتھ اس فقیر کو خاتمہ بخیر کی دعائیں دیں اور مکتبہ شرف کو حکم ہوا کہ اس کو جلد از جلد زیور طبع سے آراستہ کرے۔ اس طرح یہ کتاب اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

چونکہ یہ کتاب خود حضرت مخدوم جہاںؒ کے دست مبارک سے ہے اس لئے اس کو حضرت کی تصنیف کا درجہ حاصل ہے۔ اس کتاب پر جو مختصر تمہید ہے اس کی عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تمہید حضرت حاجی رکن الدین ہیں۔ اس لئے کہ تمہید کی عبارت اور طرز ادا سے اسی خیال کو تقویت ملتی ہے۔ لیکن سید محمد ابو صالح صاحب مرحوم نے یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ صاحب تمہید حضرت زین بدر عربی ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس کتاب کا

نام ''فوائد رکنی'' حضرت مخدوم نے رکھا یا حضرت حاجی رکن الدین نے، بہر حال رکنی سے حضرت حاجی رکن الدین ہی مراد ہیں جن کے صدقہ میں یہ گوہر گرانمایہ ہم بے نواؤں کے ہاتھ آیا۔ یہ کتاب حضرت مخدوم کے مکتوبات کی تلخیص اور اس کا نچوڑ ہے۔ اٹھارہ فواید کا ترجمہ سید غلام صمدانی صاحب مرحوم نے کیا تھا اور سید محمد ابو صالح صاحب کی کوشش سے ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں کراچی سے شائع بھی ہوا تھا۔

فوائد رکنی وہ کتاب ہے جس میں کیا کچھ نہیں ہے۔ راہ سلوک کے مسافر اور مقام فقر کے مقیم کے لئے نشان منزل اور چراغ ہدایت ہے۔ اس کا فائدہ تو وہی حاصل کر سکتا ہے جو رسم و عادت کے طور پر نہیں بلکہ تحقیق کی نظر سے حضور قلب کے ساتھ مطالعہ کرے۔ آیئے اس کتاب کے مضامین پر ایک سرسری نظر ڈال لیں۔

عشق و محبت

باطن کے لئے عشق و محبت فرض ہے۔ یہ تو ہمارے مخدوم کا خاص رنگ ہے اور پوری کتاب اسی محور پر گھومتی نظر آرہی ہے ؎

صفحۂ دل پہ نقش ہے صورت و شکل یار کی
عشق کی ساری داستاں بند ہے اس کتاب میں

فرماتے ہیں کہ عشق ہی خدا تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔۔۔۔۔ اگر تم سے ہو سکے تو اس آتش عشق کی ایک چنگاری آج ہی حاصل کر لو تاکہ یہ صفت تمہارے ساتھ قبر میں جائے۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ اے بھائی! اپنی خودی سے نکل جاؤ اور اپنے آپ کو عشق کے حوالے کر دو۔ جیسے ہی تم نے اپنے آپ کو عشق کے حوالے کیا ویسے ہی منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔ مشاہدۂ جمال دوست میں عاشق کا کیا حال ہوتا ہے اس کو ہمارے مخدوم کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں کہ جب خدا کی محبت اور اس کے عشق کا غلبہ ہوگا تو درمیان سے حجاب اٹھا دیں گے۔ یہاں تک کہ مشاہدۂ دوست میں ایک جان کیا اگر سینکڑوں جانیں بھی ہوں تو وہ بھی ملک الموت کی وساطت کے بغیر دوست کے حوالے کر دیں گے اور ملک الموت کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔

احتساب اعمال

اللہ کی خوشنودی اور اسکی رضا معلوم کرنے کا نسخہ بتاتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ جاننا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے یا ناخوش تو اسے اپنے اعمال کا احتساب کرنا چاہئے۔ اگر اس کے سارے اعمال طاعت ہی طاعت ہیں تو سمجھ جائے کہ اللہ کی خوشنودی اس کے ساتھ ہے اس لئے کہ طاعت خوشنودی کی علامت ہے اور اگر اس سے سارے کام گناہ کے ہو رہے ہوں تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ اس سے خوش نہیں ہے، اس لئے کہ گناہ اور معصیت اللہ کی ناخوشی کی پہچان ہے۔ اور اگر دونوں طرح کے اعمال اس سے صادر ہو رہے ہیں یعنی طاعت بھی کر رہا ہے اور معصیت بھی تو ایسی صورت میں جس کا غلبہ زیادہ ہوگا اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

طلب حق

طلب حق اور مشاہدۂ جمال دوست ہی حاصل زندگی ہے۔ ہمارے مخدوم اس کا سبق ان الفاظ میں دیتے ہیں: اے بھائی! تمہیں معلوم رہنا چاہئے کہ تم پر طلب حق سے بڑھ کر کوئی چیز فرض نہیں ہے۔ بازار جاؤ تو اسی کی طلب میں رہو، گھر آؤ تو اسی کی تلاش کرو۔ مسجد میں رہو تو اسی کو مطلوب بناؤ اور اگر میخانہ میں بیٹھو تو وہاں بھی وہی پیش نظر رہے۔ عزرائیل (ملک الموت) جب آئیں تو اس وقت بھی مشاہدۂ جمال دوست سے غفلت نہ ہو اور اس امتحان کی گھڑی میں بھی ملک الموت سے صاف صاف کہہ دو کہ میں اپنے کام میں مشغول ہوں، تم جس کام کے لئے آئے ہو، وہ تم کرو۔

عظمت انسان

ہمارے مخدوم نے اپنے مکتوبات میں عظمت انسان پر خوب خوب اظہار خیال فرمایا ہے۔ فوایدِ رکنی بھی اس مضمون سے خالی نہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ رکوع وسجدہ کرنے والے ہزاروں ہزار تھے۔ اسرار خداوندی میں گم اور متحیر بیشمار تھے اور اس کے کاموں میں سوختہ جان بے حساب تھے پھر بھی خاک سے ایک ایسی بے باک قوم کو پیدا کیا جس کو اپنے فرمابردار اور

عبادت گزار بندوں سے آگے بڑھادیا۔ بغیر کسی سابقہ خدمت اور کسی کی سفارش وشفاعت کے اسے یوں مخاطب کیا: اے خاک کے پتلے! الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں)۔

فائدہ ہشتم میں تحریر فرماتے ہیں: بشر تمام موجودات کا خلاصہ اور ساری مخلوقات کا نچوڑ ہے۔ جو کچھ رکھتا ہے بشر رکھتا ہے۔ آب وگل کے اس پتلے میں جو ملے گا وہ اٹھارہ ہزار عالم میں نہیں پا سکتے۔۔۔۔۔۔۔ آدم کی ذات اسرار غیب کی امانت گاہ تھی ورنہ اس مشت خاک کی یہ اہلیت کہاں کہ مقام قدس کے رہنے والے اور منابر انس پر خطبہ دینے والے اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے۔ اس مشت خاک بے حاصل کو یہ مقام کہاں ملتا کہ جبرئیل ومیکائیل جیسے صاحب تمکین فرشتوں کو حکم دیا جائے کہ اسجدوا (سجدہ میں چلے جاؤ)۔

دنیا کی ناقدری

یہ دنیا مکر وفریب کی جگہ ہے۔ یہ ایک رنگ میں نہیں رہتی۔ ہر وقت چولے بدلتی رہتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر اس دنیا کی کچھ قدر وقیمت ہوتی، اگر اس کے اندر حقیقی حسن ہوتا اور یہ دنیا وفاداری کی صفت سے متصف ہوتی تو اہل بصیرت اور ارباب علم ودانش اسے نظر انداز نہیں کرتے، نہ اسے کوئی چھوڑتے اور نہ یہ ہم تک پہنچتی۔ انبیائے کرام اور اولیائے عظام جو تمام مخلوق میں باکمال ہوئے وہ اسے تین طلاق نہیں دیتے۔ یہ دنیا بلاؤں کا دریا ہے اور ایسا دریا ہے جس میں خون ہی خون ہے۔ ایسی معشوقہ ہے جو فتنہ انگیز ہے، ایسی محبوبہ ہے جو بے سروسامان ہے۔ اس کی خوشی بھی تعجب خیز ہے اور اس کی ہلاکت بھی حیرت انگیز ہے۔ یہ اپنی فتنہ سامانی چھپا کر رکھتی ہے۔ یہ ایسی حسین ورعنا ہے جو اپنے چہرہ پر نقاب رکھتی ہے۔ چال بھی مستانی ہے اور دل میں محبت کا نام ونشان نہیں۔ اگر دولت نصیب ہو۔ آمین۔ بحرمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الہ واصحابہ واحبائہ واولیائہ اجمعین۔

والسلام

جاروب کش آستانہ مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی قدس سرہٗ
محمد علی ارشد شرفی البلخی غفرلہٗ

۳ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۹۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

زائرِ حرمین شریفین حضرت رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ

ساری حمد و ثنا اس خالق کائنات کے لئے ہے جس نے انسان کے وجود کو **یحبھم و یحبونہ**[1] (اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں) کی عزت سے سرفراز فرمایا، اپنے دوستوں کے درجات کو **اولیائی تحت قبائی لایعر فھم غیری** (میرے اولیا میری قبا کے نیچے ہیں سوائے میرے انہیں کوئی نہیں پہنچانتا) کی نوازش و کرم سے مکرم و معظم بنایا۔ ان کے معاملات کو اس مقام پر پہنچا دیا (جہاں پہنچ کر وہ یہ کہتے ہیں) **لی مع اللہ وقة لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل** (میرے لئے اللہ کے ساتھ خاص وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گزر ہے اور نہ کسی نبی مرسل کی)۔

لاکھوں درود و سلام ہو سرورِ عاشقاں و تاجِ سرِ عارفاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک پر جن کے طفیل انبیاء و اولیاؑ کو نبوت و ولایت کی پوشاک زیب آئی اور جن کے اتباع و پیروی کے صدقہ ولایت کی خلعت اولیاء کے جسم پر راس آئی۔ اگر آپ نہ ہوتے تو نہ آسمان ہوتا نہ فرشتے ہوتے، نہ عرش ہوتا نہ کرسی ہوتی، نہ آدم کا وجود ہوتا نہ آدمی ہوتے۔

---

[1] سورۂ مائدہ آیت ۵۴

لولاك لما خلقت الا فلاك (اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) اور اللہ کی رحمت ہو صحابہ کرام و خلفائے عظام کی ارواح پاک پر جو اس بدر منیر کے سامنے روشن و تابناک ستاروں کی حیثیت رکھتے اور خلعت خاص سے مخصوص کئے گئے۔ ارشاد نبوی ہے: **اصحابی کالنجوم بایھم اقتد یتم اھتد یتم** (ہمارے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے)۔

اماّ بعد! حاجی رکن الدین زائر حرمین شرفین نے قطب المشائخ، یگانۂ وقت، نادر روزگار شیخ شرف الحق والدین احمد یحیٰ منیری **متع الله المسلمین بطول بقاه و ادام علينا نعمة لقاه** کی خدمت اقدس میں گذارش کی اور التماس کیا کہ اس فقیر کے لئے مکتوبات سے چند فوائد تحریر فرما کر عنایت کئے جائیں تاکہ سفر و حضر میں وہ میری زندگی کے لئے مونس بنیں۔

اپنی عام شفقت اور قدیم لطف و عنایت سے خاکسار کی یہ درخواست حضرت مخدوم نے قبول فرمائی اور اپنے دست مبارک سے یہ چند فواید بہتر اور مرغوب عبارت میں تحریر فرمائے تاکہ اس سے عام مسلمان چھوٹے بڑے سب دن رات فائدہ اٹھائیں۔ جو شخص ان فوائد کو رسم و عادت کے طور پر نہیں بلکہ تحقیق کی نظر سے حضور قلب کے ساتھ مطالعہ کرے گا، اسے جو کچھ حاصل ہو گا اسے بیان نہیں کیا جاسکتا اور وہ جو کچھ دیکھے گا اسے حیطۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔

والله الموفق لاحول ولاقوة الا بالله العلى العظيم. اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ مجھے نہیں طاقت ہے گناہوں سے بچنے کی اور نیک کاموں کے کرنے کی، مگر مدد سے اللہ بزرگ و برتر کے۔

فائدہ — ۱

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ جس طرح ظاہر میں نماز و روزہ فرض ہے اسی طرح باطن کے لئے عشق و محبت فرض ہے اور عشق و محبت کا خمیر درد و غم ہے۔ عشق بندہ کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ اسی لئے عشق کو راہ (طریقت) کے لئے فرض قرار دیا گیا۔ عشق زندگی ہے، اور عشق نہیں تو موت ہے۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

مجنون عشق را دگر امروز حالت است
کہ اسلام دین لیلیٰ اور دیگر ضلالت است

(عشق کے دیوانوں کی حالت ہی دوسری ہے، ان کے نزدیک لیلیٰ ہی کا دین اسلام ہے، باقی جو کچھ ہے وہ سب کچھ گمراہی ہے۔)

کہتے ہیں کہ عشق آگ ہے اور جہاں پہنچتی ہے اسے جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ محبان خدا کا دل چھپا ہوا آتش کدہ ہے۔ اگر اس میں سے ایک چنگاری بھی باہر آجائے تو کون و مکان (یعنی دو جہاں) کو جلا کر رکھ دے۔ کہا جاتا ہے کہ سارے جہاں کے عذاب کے لئے دوزخ کی آگ ہے اور دوزخ کو سزا دینے کے لئے محبوں کے دل کی آگ ہے۔ اگر ان کے دلوں پر پانی سے لبریز دریاؤں کو انڈیل دیا جائے تو سارا پانی آگ ہو جائے۔ یہ ظاہری آگ محبان خدا کے دل کی آگ کے لئے ایندھن کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے یہ بات کہی گئی ہے

ہر کہ او در عشق چوں آتش نشد

عیش او در عشق ہرگز خوش نشد

(جو عشق میں آگ کی طرح نہ ہو وہ عشق کی لذتوں سے محظوظ نہ ہو۔)

کلؔ قیامت کے دن جب عشاق اپنی قبروں سے باہر آئیں گے، اپنا جائزہ لیں گے اور اپنے غم واندوہ میں ذرہ برابر بھی کمی پائیں گے تو اتنا شور و ہنگامہ مچائیں گے اور اتنی فریاد کریں گے کہ دوزخیوں کو بھی ان پر ترس آجائے گا۔ اسی معنی میں یہ شعر ہے ؎

گر شود ایں درد دامن گیر تو

پس بود ایں درد دایم پیر تو

(اگر یہ دردِ "عشق" تمہارا ساتھی بن جائے تو پھر یہی درد ہمیشہ کے لئے تمہارا رہبر ہو جائے۔)

اے بھائی! اگر تم سے ہو سکے تو اس آتش عشق کی ایک چنگاری آج ہی حاصل کرلو تاکہ یہ صفت تمہارے ساتھ قبر میں جائے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ [1]

(جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامتی دل لے کر۔)

در گور برم از سر گیسوئے تو تارے

تا سایہ کند بر سر من روز قیامت

(میں آپ کے گیسو کا ایک تار قبر میں لے جاؤں تاکہ وہ قیامت کے دن میرے سر پر سایہ فگن رہے۔)

اے بھائی! عاشقوں کی راہ تعجب خیز اور حیرت ناک ہے اور محبان خدا

---

[1] الشعراء/ ۸۹

کے کام خوفناک اور دشوار ہیں۔ نہ ہر نامرد اسے سن سکتا ہے اور نہ ہر مخنث اسے اپنا سکتا ہے۔ اس کے لئے ایسے مجنوں کی ضرورت ہے جو سنگ ملامت کھا سکے، ایسے فرہاد کی ضرورت ہے جو پہاڑ کاٹ سکے اور ایسی زلیخا کی ضرورت ہے جو یوسف کے نام کی رٹ لگا سکے۔ روبازی کن کہ عاشقی کار تو نیست (جاؤ کھیلو کودو۔ عاشقی تمہارا کام نہیں)۔

اے بھائی! جس روز عاشقوں کے پیشوا[1] کو دار پر جلوہ افروز کیا گیا اس روز حضرت امام شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے بارگاہ خداوندی میں درخواست پیش کی کہ اے اللہ! تو اپنے دوستوں کو کیسے قتل کر دیتا ہے؟ جواب ملا: "تاکہ ان کو خوں بہا ملے"۔ پھر حضرت شبلیؒ نے دریافت کیا کہ ان کا خوں بہا کیا ہے؟ ارشاد ہوا: "میری لقا اور میرا جمال۔" من قتلته فانادیته (جس کو میں نے قتل کیا اس کا خوں بہا میں خود ہو جاتا ہوں)۔

جس نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے ؎

بے جرم و گناہ عاشقاں رامی کش
پس برسر گور شان زیارت می کن

(تو اپنے عاشقوں کو بغیر کسی جرم اور گناہ کے قتل کرتا رہ اور پھر ان کی قبر پر آکر زیارت کر۔)

اے آشنائے کوئے محبت صبور باش
بیداد نیکواں ہمہ بر آشنا رود

(اے محبت کی گلیوں سے آشنائی رکھنے والے! صبر سے کام لے، حسینوں کا ظلم آشنا ہی پر ہوتا ہے۔)

اے بھائی! وہ اپنے عشق کی خلعت ہر کسی کو نہیں دیتا ہے اور نہ

---

[1] حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

ہر شخص عشق کے قابل ہوتا ہے۔ جو عشق کے لائق ہے وہی خدا کے لائق ہے۔ جو عشق کے لائق نہیں وہ خدا کے بھی لائق نہیں۔ جو عشق کے محرم ہیں وہی اس راز کو جانتے ہیں اور جو اس کے محرم نہیں وہ اس کے بارے میں کیا جانیں۔ عشق کی قدر تو عشق ہی والے جانتے ہیں۔ ساری دنیا بہشت کی طلبگار ہے۔ عشق کا ایک بھی طالب نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہشت نفس کا حصہ ہے اور عشق روح کی غذا ہے۔

روپے پیسے کے ہزاروں طالب مل جائیں گے لیکن موتی اور جواہرات کا ایک طالب بھی نہیں ملے گا۔

اے بھائی! عشق ایک ایسی سواری ہے جو ایک ہی جست میں دونوں جہاں سے آگے پہنچا دیتی ہے اور لامکاں میں چھلانگیں مارتی ہے ؎

در عالم عشق اگر بکار آئی تو   در دفتر عشق در شمار آئی تو

جبرئیل امیں رکابدار تو بود   بر مرکب عشق اگر سوار آئی تو

(اگر تو عالم عشق میں کام آگیا تو عشق کے دفتر میں تیرا نام آگیا۔)

(اگر تو عشق کو اپنی سواری بنالے تو جبرئیل امین تمہاری رکاب میں چلیں۔)

اے بھائی! اپنی خودی سے نکل جاؤ اور اپنے آپ کو عشق کے حوالہ کردو۔ جیسے ہی تم نے اپنے آپ کو عشق کے حوالہ کیا ویسے ہی منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔ جانتے ہو اس راہ میں جو اتنے سارے پردے پڑے ہوئے ہیں ان کا مقصد کیا ہے؟ ان کا مقصد یہ ہے کہ عاشق کی نگاہ روز بروز پختہ ہو جائے تاکہ دوست کے جمال باکمال کو بے حجابانہ دیکھ سکے۔

فائدہ — ۲

رسیدم من بہ دریائے کہ موجش آدمی خواراست
نہ کشتی اندر آں دریا نہ ملاحے عجب کا راست

(میں اس دریا میں پہنچ گیا ہوں جہاں کی موجیں آدم خور ہیں۔ یہاں نہ کوئی کشتی ہے نہ کوئی ملاح ہے، عجب معاملہ ہے۔)

عشق اس دریا کی کشتی ہے۔ عنایت خداوندی ملاح ہے اور اس دریا میں طرح طرح کے خطرات ہیں۔ ایسے میں کیا کرو گے؟ اس فقیر کے کلمات کو سامنے رکھو۔ امید ہے کہ اس دریا کے موجوں کے گرداب سے جو آدم خور ہیں، ان کے مطالعہ کی وجہ سے سلامتی کے ساتھ نکل آؤ گے۔ اس دریا کو عبور کرنے میں جو مشکلات آئیں ان کا حل ان ہی کلمات میں تلاش کرو اس لئے کہ تمہیں ان کے معانی سے واقفیت ہو چکی ہے۔ اس تصور کے ساتھ مطالعہ کرو کہ گویا اس فقیر کی زبان سے سن رہے ہو۔ کیونکہ **القلم احداللسانین** آیا ہے یعنی قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔

اطمینان رکھو۔ تم خوش نصیب ہو۔ تمہاری ہمت اس دریا پر غالب ہے۔ تم ضرور کامیاب ہو گے۔ اس دریا کے موتی اور جواہرات نادر و نایاب ہیں۔ اس میں غوطہ لگانے والے کو عاشق، صادق اور جان باز ہونا چاہیئے۔ یہ کسی ذلیل ہوس پرست، زرد رو مخنث اور شکم پرور کا کام

نہیں ہے۔ اللہ اس کی روح پر رحمت کی بارش فرمائے جس نے یہ کہا ہے ؎

روبازی کن کہ عاشقی کارِ تو نیست

(جاؤ، کھیلو کودو، عشق کرنا تمہارا کام نہیں۔)

اے بھائی! میری جو بھی تحریر پہنچی ہے تم اسے حضور دل کے ساتھ ہمیشہ مطالعہ کرتے رہو۔ جس طرح قصہ اور افسانہ پڑھتے ہیں اس طرح عادتاً نہ پڑھو۔

ایک بزرگ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ جب ایسا زمانہ آجائے کہ بزرگوں کی صحبت میسر نہ ہو تو اس وقت کیا کیا جائے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بزرگان دین کی تحریروں میں سے ایک جزروزانہ پڑھ لیا جائے کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا ہے تو چراغ سے روشنی لی جاتی ہے۔ اسی کو کسی نے یوں کہا ہے ؎

از بخت بدم اگر فروشد خورشید
از نور رخت مہا چراغے گیرم

(اگر میری بدقسمتی سے آفتاب غروب ہو گیا تو تیرے رخ انور کی روشنی سے چراغ کا کام لوں گا۔)

فائدہ — ۳

اے بھائی! شریعت کا فتویٰ ہے کہ قیامت کے دن ہر آدمی کا حشر اس کی نیت کے مطابق ہوگا۔ اگر تمہارے دل میں حق کی طلب اور اس کی ارادت غالب ہے تو اللہ کے طالبوں اور عاشقوں کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔ جانتے ہو ان کے لئے اجر و ثواب کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہ جَنَّۃ لَیْسَ فِیھا حُورٌ وَقُصُورٌ یَتَجَلّیٰ رَبُّنَا ضاحِکا۔ (بے شک اللہ کے پاس ایسی جنت ہے جس میں حور و قصور نہیں بلکہ ہمارا رب ہنستے ہوئے تجلی فرماتا ہے۔)

یہاں بہشت و دوزخ کی گذر کہاں۔ اگر تمہارے دل میں بہشت کی طلب اور اس کا ارادہ غالب ہے تو صالحین کے زمرہ میں تمہارا حشر ہوگا۔ ایسے لوگوں کے لئے لھم جَنّٰت الفِردَوسِ نُزُ لاً [1] (فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے) کی خوشخبری ہے۔ اگر تمہارے دل میں دنیا کی طلب اور اس کا ارادہ غالب ہے تو دنیاوالوں کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔ ایسے لوگوں کے لئے وحیل بینھم وبین مایشتھون [2] کی وعید ہے۔ (یعنی اور روک کردی گئی — ان میں اور اس میں جسے چاہتے ہیں۔)

یہ وہ مقام ہے جہاں سر پر خاک ڈالنے اور اپنا ماتم کرنے کے

---

[1] سورۂ کہف ر/۱۰۷ [2] سورۂ السبا ر/۵۴

علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔ اب تم خود غور کرو کہ تمہارے دل میں کیا ہے۔ خدا کی محبت اور اس کا عشق غالب ہے یا بہشت سے عشق و محبت ہے یا دنیا سے عشق و محبت ہے۔ تمہارے دل پر جس کا غلبہ ہے سمجھ لو کہ اسی کے مطابق تمہارا حشر ہو گا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جب خدا کی محبت اور اس کے عشق کی طلب کا غلبہ ہو گا تو درمیان سے حجاب اٹھادیں گے یہاں تک کہ مشاہدۂ دوست میں ایک جان کیا اگر سینکڑوں جانیں بھی ہوں تو وہ بھی ملک الموت کی وساطت کے بغیر دوست کے حوالہ کردیں گے اور ملک الموت کو اس کی خبر بھی نہ ہو گی۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

در شوق تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کہ آنجا ملک الموت نگنجد ہرگز

(تیرے شوق میں تیرے عشاق اس طرح اپنی جانیں نچھاور کرتے ہیں کہ ملک الموت کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔)

اس وقت ساتوں آسمانوں میں یہ ندا کردی جاتی ہے کہ وصل الحبیب الی الحبیب۔ دوستؔ دوست سے مل گیا۔ طالب نے مطلوب کو پالیا۔ درمیان میں کوئی واسطہ باقی نہیں رہا۔ جس نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے ؎

چوں در آمد وصال را حالہ سرد شد گفتگوئے دلالہ

(جب وصل کی گھڑی آگئی تو پھر اس وقت دلالہ کی ضرورت نہیں رہی۔)

اگر کسی پر آخرت کی محبت اور اس کی طلب غالب ہے تو آخرت پورے حسن و جمال اور زیبائی و رعنائی کے ساتھ اس طرح سامنے آئے گی کہ طالب اس کو دیکھ کر ہزاروں جان اور راحت و آرام قربان کرنے لگے گا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

وانکہ ہر چیزے کہ بسودائی تو انست
چوں بمردی نقد فردای تو انست

(دنیا میں جس چیز کی تم کو دیوانگی ہے کل قیامت کے دن وہی چیز تمہارے سامنے ہو گی۔)

اگر دنیا کی محبت اور اس کی طلب غالب ہے تو دنیا اپنی ساری برائیوں اور خرابیوں کے ساتھ سامنے لائی جائے گی اور طالب دنیا اس کو دیکھ کر ہزاروں سختیوں اور دشواریوں کے ساتھ اس پر اپنی جان دے گا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

ہرچہ در دنیا خیالت آں بود
تاابد راہِ وصالت آں بود

(دنیا میں تمہاری زندگی جن خیالوں میں گزرے گی، قیامت تک تیرے وصال کی راہ وہی رہے گی۔)

اے بھائی! جب یہ بات طے شدہ ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا میں جتنے درندے اور وحشی جانور ہیں وہ مخصوص صفتوں کے حامل ہوتے ہیں اور آدمی میں وہ صفتیں موجود ہوتی ہیں۔ دنیا میں جس صفت کا غلبہ ہو گا کل قیامت کے دن اسی صفت کا حکم اس پر عاید ہو گا یعنی اسی جانور کی شکل میں اس کا حشر ہو گا۔

مثلاً اگر یہاں کسی پر غصہ کی صفت غالب ہے تو کل قیامت کے دن کتے کی شکل میں اس کا حشر ہو گا۔ اگر کسی پر شہوت غالب ہے تو خنزیر کی شکل میں حشر ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی پر تکبر کی صفت کا غلبہ ہے تو شیر کی صورت میں اس کا حشر ہو گا اور چاپلوسی کی صفت رکھنے والے کا حشر لومڑی کی شکل میں ہو گا۔ اسی طرح اور دوسری صفتوں کو سمجھنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام آذر کو جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے دیکھ کر عرض کریں گے: ”خداوندا! میرے لئے اس سے بڑی فضیحت اور کیا ہو گی کہ میں میدان حشر میں کھڑا رہوں اور میرے باپ کو جہنم کی طرف لے جایا جائے۔“ اسی وقت آذر سے لباس آدمیت اتروالیا جائے گا اور ہونڈار کی صورت بنادی جائیگی اس لئے کہ دنیا میں اسی کی صفت اس پر غالب تھی۔ پھر ابراھیم علیہ اسلام سے کہا جائے گا کہ آپ کا اس ہونڈار سے کیا تعلق ہے اور کون سی رشتہ داری ہے؟ اور اصحاب کہف کے کتے کو اس کی اصلی شکل تبدیل کر کے آدمی کی شکل میں اٹھایا جائے گا اس لئے کہ اس کتے کے اندر آدمی کی صفت پیدا ہو گئی تھی اور آذر صورتاً آدمی ہوتے ہوئے بھی ہونڈار کی صفت رکھتا تھا۔ اسی سے سمجھ لو کہ ظاہری صورت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ لیکن کیا کہا جائے! جاہلوں کی نظر صورت ہی پر ہوتی ہے۔

اے بھائی! بہت سارے آدمی ایسے ہیں جن کو بظاہر تم آدمی کی صورت میں دیکھ رہے ہو لیکن کل قیامت کے دن وہ درندے

اور وحشی جانوروں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے اور بہت سارے درندے اور وحشی جانور ایسے ہیں جو قیامت کے دن آدمیوں کی صف میں کھڑے کئے جائیں گے۔ یہ سخت ترین گھاٹی ہے اور بہت دشوار معاملہ ہے، ارباب بصیرت کے سوا اور کسی کو بھی اس کی فکر نہیں۔

دیکھو، غفلت ٹھیک نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ اس بات کی عادت ڈالنی چاہیئے تاکہ ان بری صفتوں میں کمی آتی جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق نے ساتھ دیا تو بری صفتیں مکمل طور پر دور ہو جائیں گی اور یہ ایک بہت بڑا کام ہو گا۔

ہاں! جو یہ جاننا چاہتا ہے کہ کل اس کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا اور کس صفت پر اس کا حشر ہو گا تو اسے چاہیئے کہ آج ہی اپنی حالت کا جائزہ لے کہ اس میں کون سی صفت غالب ہے۔ کل قیامت کے دن اس کا ویسا ہی حشر ہو گا اور اتنا معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی یہ جاننا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے یا ناخوش تو اسے اپنے اعمال کا احتساب کرنا چاہیئے۔ اگر اس کے سارے اعمال طاعت ہی طاعت ہیں تو سمجھ جائے کہ اللہ کی خوشنودی اس کے ساتھ ہے اس لئے کہ طاعت خوشنودی کی علامت ہے اور اگر اس سے سارے کام گناہ کے ہو رہے ہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ اللہ اس سے خوش نہیں ہے اس لئے کہ گناہ و معصیت اللہ کی ناخوشی کی پہچان ہے اور اگر دونوں طرح کے اعمال اس سے صادر ہو رہے ہیں یعنی

طاعت بھی کر رہا ہے اور معصیت بھی تو ایسی صورت میں جس کا غلبہ زیادہ ہو گا اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

آج کی یہ زندگی پائیدار زندگی نہیں ہے۔ یہاں کے جو کام ہیں اگر یہاں نہ ہو سکے تو پھر وہاں (اسی عالم میں) کیسے انجام پائیں گے۔ اگر کسی میں صفات خبیثہ (بری صفتیں) ہیں اور انہیں دور نہیں کر سکا تو کل قیامت کے دن اگر بہشت میں داخل کر کے بہشت کی ساری نعمتیں اس کے حوالہ کر دی جائیں گی تو بھی وہ بری صفتیں اس سے دور نہیں ہوں گی۔ جو رہ گئیں سو رہ گئیں۔ ایسا آدمی ساری نعمتوں کے رہنے کے باوجود محتاج ہی رہے گا اور دوست تک پہنچنے سے محروم رہے گا۔ اس لئے اسی دنیا میں تبدیلی پیدا کر لے، اگر یہاں نہ ہو سکا تو وہاں بھی نہ ہو گا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

پاک شو تاز اہل دیں گردی
آں چناں باش تا چنیں گردی

(پاک بن جاؤ تاکہ دینداروں میں تمہارا شمار ہو جائے، ایسے ہو جاؤ تاکہ ویسے لوگوں کی طرح ہو جاؤ۔)

فائدہ — ۴

اے بھائی! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم پر "طلب حق" سے بڑھ کر کوئی چیز فرض نہیں ہے۔ بازار جاؤ تو اسی کی طلب میں رہو، گھر آؤ تو اسی کی تلاش کرو، مسجد میں رہو تو اسی کو مطلوب بناؤ اور اگر میخانہ میں بیٹھو تو وہاں بھی وہی پیش نظر رہے۔ عزرائیل (ملک الموت) جب آئیں تو اس وقت بھی مشاہدۂ جمال دوست سے غفلت نہ ہو اور اس امتحان کی گھڑی میں بھی ملک الموت سے صاف صاف کہہ دو کہ میں اپنے کام میں مشغول ہوں، تم جس کام کے لئے آئے ہو وہ تم کرو۔

نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسواک کر رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت عزرائیل آئے اور عرض کیا: کیا حکم ہوتا ہے، واپس چلا جاؤں یا جس کام کے لئے بھیجا گیا ہے اس پر عمل کروں؟ حضور ﷺ نے اپنے دہن مبارک سے مسواک کو الگ نہیں کیا اور فرمایا کہ تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ اگر تم کو جہنم میں ڈالدیا جائے تو وہاں بھی اللہ کی طلب سے باز نہ رہو۔ داروغۂ جہنم سے کہہ دو کہ تم ہمارے سر پر قہر ڈھاتے رہو اور میں طلب کے میدان میں قدم بڑھاتا جاؤں، پھر دیکھنا معاملہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ اگر جنت میں داخل کریں تو دیکھو، حور و قصور کی طرف ہرگز مائل نہ ہونا بلکہ طلب حق کی گلیوں میں چکر لگاتے رہنا اور یہی کہنا ؎

اگر ہر دو جہاں دہند مارا
چوں وصل تو نیست بینوایم

(اگر دونوں جہاں بھی ہمیں بخش دیں اور اپنے وصل سے محروم رکھیں تو ساری دولت کے ہوتے ہوئے بھی میں مفلس و بے نوا ہی رہوں گا۔)

اے بھائی! رکوع اور سجدہ کرنے والے ہزاروں ہزار تھے۔ اسرار خداوندی میں گم اور متحیر بلیشمار تھے اور اس کے کاموں میں سوختہ جاں بے حساب تھے پھر بھی خاک سے ایک ایسی بے باک قوم کو پیدا کیا جس کو اپنے فرماں بردار اور عبادت گذار بندوں (فرشتوں) سے آگے بڑھا دیا۔ بغیر کسی سابقہ خدمت اور کسی کی سفارش و شفاعت کے اسے یوں مخاطب کیا: اے خاک کے پتلے! الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔)

وہ رب ذوالجلال آن واحد میں کسی جواڑی و شرابی کو منتخب کرلیتا ہے اور اقبال مندی کے تخت پر اپنے مشاہدے میں مشغول کر دیتا ہے، ہر لمحہ نوازش و کرم فرماتا ہے۔ ہر لحظہ تحائف کی بارش ہوتی ہے۔ قبولیت و قربت سے نوازا جاتا ہے اور ٹھیک اسی کے برعکس جب اس کا غضب ہوتا ہے تو عبادت و ریاضت میں مشغول اور دعاء و مناجات میں مصروف بندے کی گردن میں حجاب و عتاب کی رسی ڈال کر اسے مردود و ملعون کر دیتا ہے۔ پھر ایسے شخص کے حصے میں حسرت و غضب کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ کسی کو بت خانہ سے نکال کر عزت و قبولیت کے نقش و نگار سے مزین خلعت پہنا

دیتا ہے اور کسی کو مسجد سے کھینچ کر ردو حجاب کا طوق اس کی گردن میں ڈال دیتا ہے۔ جس طرح اس کی نوازش و کرم اپنا کام کر رہی ہے اسی طرح اس کا قہر بھی کارفرما ہے۔

اے بھائی! راہ غیر محفوظ ہے اور منزل بہت دور۔ ایسے میں اس کا عاشق و مجنوں سر نہ پٹکے تو کیا کرے ؎

جز جاں و جگر نیست شکار خور تو
زانست کہ ہر سرے ندارد سر تو

(چونکہ آپ کے شکار کی غذا جان و جگر کے سوا اور کچھ نہیں ہے اسی لئے ہر شخص آپ کے عشق کی تمنا نہیں رکھتا۔)

بہت سارے عبادت گذار ایسے ہوتے ہیں جن کی عبادت و ریاضت کا ذخیرہ جان کنی کے وقت بے نیازی کے ساتھ اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے۔ **وقدمنا الیٰ ماعملو امن عمل فجعلنٰهُ هبآء مَنْثُوْرًا** [1] (اور جو کچھ انہوں نے کام کیا تھا ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔)

اور طاعت و عبادت سے لبریز بہت سارے سینے ایسے ہوتے ہیں جو سکرات موت کے وقت تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ **وبدالهم من الله مالم یکونوا یحتسبون** [2] (اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔)

---

[1] الفرقان/۲۳ [2] الزمر/۴۷

بہت سارے لوگ ایسے ہوں گے جن کے چہرے قبر میں قبلہ کی طرف سے پھیر دیئے جاتے ہیں اور بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو آج آشنا سمجھے جارہے ہیں، لیکن قبر میں پہلی ہی رات بے گانہ بنادیئے جاتے ہیں۔ وہ کسی سے فرماتا ہے: **نم کنومة العروس.** (سوجاؤ جس طرح دلہن سوتی ہے۔)

اور کسی کو یوں مخاطب کرتا ہے: **نم کنومته المحبوس۔** (جس طرح قید خانہ میں قیدی سوتے ہیں اسی طرح پڑے رہو۔) جب رد کرتے ہیں تو پھر اس طرح کہ کوئی طاعت اس وقت کام نہیں آتی اور جب شرف قبولیت بخشتے ہیں تو اس وقت کسی گناہ کی فکر نہیں ہوتی۔ ذرا غور کرو آذر کی پشت سے خلیل اللہ پیدا کئے گئے۔ **یخرج الحی من المیت** (وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے) اور نوح کے گھر سے کنعان کی پیدائش ہوئی۔ **یخرج المیت من الحیۓ** (زندہ سے مردے کو نکالتا ہے)۔ آدم علیہ السلام کی قبولیت تو دیکھو کہ زلت (لغزش) کا نقصان انہیں مٹا نہ سکا اور ابلیس اس طرح رد کیا گیا کہ ساری عبادت و ریاضت بے کار چلی گئی اور کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جو مقبول بارگاہ ہیں اگر ان کو **لھم البشری**[۱] کی خوشخبری دی گئی ہے تو مردود بارگاہ کے لئے **لابشریٰ یومئذ للمجرمین**[۲] کی وعید بھی ہے۔ اگر عبادت گذاروں اور اپنے برگزیدہ بندوں کے لئے **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود**[۳] (ان کی پیشانیاں سجدوں کے اثر سے چمکتی ہیں) فرمایا ہے تو **یعرف المجرمون بسیمٰھم**[۴] (مجرم اپنے چہرے سے پہچانے جائیں گے) کے ذریعہ مجرموں کی پہچان بھی بتادی ہے۔

---

[۱] الزمر/۱۷ [۲] الفرقان/۲۲ [۳] الفتح/۲۹ [۴] الرحمٰن/۴۱

فائدہ — ۵

اے بھائی! اس تک پہنچنے کے جو راستے ہیں وہ غیر محفوظ ہیں۔ منزل کافی دور ہے، جسم کمزور و ناتواں ہے۔ دل بے بس و مجبور ہے اور وقت بھی کم ہے۔ ایسے میں آرام و سکون نصیب نہیں۔ تدریس و تکرار کا وقت نہیں۔ جبہ و دستار اور کلاہ و قبا کا موقع نہیں۔ سب میں آگ لگا دو اور اپنا ماتم آپ کرو اور وہی کہو جو اس بیچارہ نے کہا ہے ؎

بر د غفلت روزگارم چوں کنم
بر نیامد ہیچ کارم چوں کنم

(ساری زندگی غفلت میں گذر گئی، کوئی کام مجھ سے نہ ہو سکا۔ ہائے ! اب میں کیا کروں؟)

افسوس! ہزار افسوس! وقت غفلت میں گذر گیا، زندگی پوری ہو گئی مگر کام پورا نہ ہوا۔ آخرت کا سفر بھی سامنے ہے۔ اب جو زندگی رہ گئی ہے اس میں بھی اگر کچھ نہ ہو سکا تو پھر ماتم کے سوا کیا ہے۔ وہی کہنا چاہیئے جو کسی سوختہ جاں نے کہا ہے ؎

درد را دارو کجا خواہیم کرد
عمر شد .ماتم کجا خواہیم کرد

(درد کا علاج کہاں تلاش کروں! عمر ختم ہو رہی ہے کس کس چیز کا ماتم کروں!)

رات کے آخری حصہ میں گنہگاروں اور بدکاروں کی طرح درد مند دل سے گریہ وزاری اور عاجزی و درماندگی کے ساتھ یہ مناجات کرو ؎

از در خویشم مگر داں ناامید
از سر لطفت سیاہم کن سفید

(اپنی بارگاہ سے مجھے ناامید واپس نہ کیجئے بلکہ اپنی مہربانیوں سے میرے سیاہ اعمال نامہ کو سفید کر دیجئے۔ یعنی گناہوں کی سیاہی کو آب رحمت سے دھو دیجئے۔)

دیکھو! ہرگز غافل نہ رہو اس لئے کہ کام بہت دشوار ہے، راہ میں بھی نشیب و فراز ہے، شیطان اور نفس موت کے وقت اور قبر میں پیچھے پڑا رہتا ہے اور آخرت کا عذاب تو ایسا ہے کہ اس کے سننے سے پتا پانی ہو جاتا ہے اور جگر جل بھن کر کباب بن جاتا ہے۔ اسی درد و غم میں بیچارہ نالہ و فریاد کرتا ہے اور کہتا ہے ؎

کاشکی ہرگز نبودی نام من
تانبودی جنبش و آرام من

(کاش کہ میرا نام ہی نہ ہوتا تاکہ یہ حرکت و سکون ہمارے اندر پیدا ہی نہ ہوتا۔)

کسی عارف نے حضرت خواجہ ابراہیم ادہمؒ سے عرض کیا کہ میں آپ سے علم طریقت کی باتیں سننا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا : اے برادر! میں خوذ ایک زمانہ سے اپنا ماتم آپ کر رہا ہوں۔ اس عارف نے پوچھا : ایسا کیوں؟ آپ نے جواب دیا کہ جب فرشتہ نے ماں کے پیٹ میں میری صورت بنائی تو اس وقت فرشتہ نے عرض کیا

یا الہ العالمین ! میں اسے سعید لکھوں یا شقی؟ معلوم نہیں دربار خداوندی سے میرے متعلق اس فرشتہ کو کیا جواب ملا (آیا مجھے نیک بختوں کی فہرست میں رکھا گیا یا بد نصیبوں کی فہرست میں)۔ پھر جب ملک الموت خدا سے دریافت کریں گے کہ اس بندہ کی جان سعادت پر قبض کروں یا شقاوت پر؟ تو معلوم نہیں اس وقت میرے بارے میں کیا حکم ہوگا۔ اور کل قیامت کے دن جب فرشتہ یہ دریافت کرے گا کہ اس بندہ کو بہشت میں لے جاؤں یا دوزخ میں؟ تو پتا نہیں کیا جواب ملے گا۔

اے بھائی! دین کی راہ میں جتنے زاہد، عابد اور عالم ہیں سب اس کے تیغ بے نیازی کی ہیبت سے پریشان و سرگرداں ہیں۔ ان اللہ لغنی عن العٰلمین[1] (بے شک اللہ بے پروا ہے سارے جہاں سے۔) اور دنیا کے سارے صدیق لیسئل الصدقین عن صدقھم[2] (تاکہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے) کی سیاست سے خوفزدہ اور لرزہ براندام ہیں اس لئے کہ بہت سارے عبادت گذار ایسے ہیں جن کے پاس طاعت و عبادت کا ذخیرہ ہے لیکن جاں کنی کے وقت بے نیازی کے ساتھ اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے۔ وقد منا الی ما عملوا۔ اور بہت سارے سینے ایسے ہیں جو عبادت و ریاضت سے آباد ہیں لیکن سکرات موت کے وقت وہ تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون۔ وہ کبھی سات لاکھ سال تک بارگاہ خداوندی میں معتکف رہنے والے معلم الملکوت کے جسم سے لباس ملکی چھین کر اس کی پیشانی پر قیامت تک کے لئے لعنت کا داغ لگا دیتا

---

[1] العنکبوت/۶ [2] الاحزاب/۸

ہے۔ ان علیك لعنتی[1] (اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے) اور کبھی بلعم بارعو کو جو یگانہ روزگار اور اسم اعظم کی خلعت سے آراستہ تھا مسجد سے نکال کر کتوں کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ فمثله کمثل الکلب ان یحمل علیه یلهث[2] (اس کا حال کتوں کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے)۔

جس نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے ؎

بی نیازش راچہ کفر و چہ دین

بی زبانش راچہ شک وچہ یقین

(اس کی بے نیازی کو تمہارے کفر و دین سے کیا مطلب اور اس کی خاموشی کے آگے تمہارے شک و یقین کی کیا حیثیت!)

اے بھائی! یہاں آرام و سکون اور خوشی و شادمانی کہاں؟ نقل ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک روز جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ اے بھائی جبرئیل! کہو آج کل کیسی گذر رہی ہے اور تمہارے معاملات کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! جب سے ہماری جماعت کے ایک فرد کو مردود بارگاہ کیا گیا ہے کسی کو بھی ہوش نہیں ہے اور کوئی بھی اطمینان و سکون سے نہیں ہے۔ اب سمجھ جاؤ کہ ہم بے اقبالوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ جب تک موقع ہے، جہاں تک ممکن ہو اور جتنا ہو سکے دن رات اپنا غم کرتے رہو، اپنی فکر میں لگے رہو اور وقت بوقت حسرت کی خاک سر پر ڈالتے رہو۔ اس لئے کہ تعطل وناامیدی اس کام کے لیے شرط نہیں ہے۔ اگر مردوں کا ایمان حاصل نہ ہو سکا تو کم از کم عورتوں اور مخنثوں

---

[1] ص/۷۸ [2] الاعراف/۱۷۶

کا ایمان تو حاصل ہو جائے۔ کیا کرو گے، اگر آفتاب کی دولت میسر نہیں ہے تو چراغ ہی سے کام لے لو۔ جس نے بھی کہاں ہے خوب کہا ہے ؎

از بخت بدم اگر فروشد خورشید
از نور رخت مہا چراغی گیرم

(اگر میری بداقبالی سے سورج ڈوب گیا تو آپ کے رخ انور کی روشنی موجود ہے، میں اسی سے چراغ کا کام لے لوں گا۔)

اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو پھر ہم میں اور فرعون، نمرود، ترسا و یہود میں کیا فرق رہا ہے۔ اے بھائی! آج دنیا سے جو ایمان کو محفوظ و سلامت لے گیا وہی مرد ہے اور ہمارے زمانہ کا جنید و شبلی بھی وہی ہے۔ باقی جو کچھ ہے سب خیال ہی خیال ہے ؎

بیرون گور لاف کرامت چہ می زنی
ایمان اگر بگور بری از کرامت است

(قبر سے باہر یعنی مرنے سے پہلے کرامت دکھانا کیا معنی رکھتا ہے، اگر ایمان کے ساتھ قبر میں جاتے ہو تو یہی سب سے بڑی کرامت ہے۔)

اے بھائی! دین کے جو مشائخ ہیں ان کی پیروی کرو اور اپنے آپ کو شیطانی وسوسے سے دور رکھو تاکہ شیطان کے قبضہ میں نہ چلے جاؤ، اگر ایسا ہو گیا تو پھر جلد از جلد اس سے نکل آؤ، جب تک معاملہ بگڑا نہیں ہے اس کا علاج کرتے رہو، ہوشیار رہو اور اپنا غم کھاتے رہو اس لئے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے ؎

ای پیر گنہ گار در توبہ کشادہ است   انواع نعم بہر تو آمادہ نہادہ است

بشتاب سوی توبہ کہ ازمادر گیتی   از کردن تاخیر بسی واقعہ زادہ است

(اے بوڑھے گناہگار! توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور تیرے لئے طرح طرح کی نعمتیں تیار رکھی ہوئی ہیں۔ توبہ کرنے میں جلدی کر۔ اس لئے کہ تاخیر میں خطرہ ہے کیونکہ اس دنیا میں ہر پل بہت سارے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

فائدہ — ٦

اے بھائی! پیدائش سے آخر تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے، پیدائش سے آخر تک گناہوں میں ملوث رہنا شیطان کا فعل ہے اور گناہ میں مبتلا ہونا اور پھر اس سے توبہ کرنا آدم اور اولاد آدم کی صفت ہے۔ بندہ صرف گناہ کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوتا بلکہ گناہ کے بعد توبہ نہ کرنے کی وجہ سے گرفت ہوتی ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اگر بندے نے گناہ کیا اور پھر اس گناہ سے توبہ کر لیا تو تمام لوگوں کا اس پر اجماع (اتفاق) ہے کہ وہ ماخوذ نہیں ہوتا۔ التائب من الذنب کمن لاذنب له (گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہیں)۔ آدمی سے گناہ کا صدور ہو اس میں تعجب کیوں ہے۔ ارے بھائی! آدمی تو شہوتوں اور خواہشوں کا مرکب ہے۔ شیطان درپے ہے۔ نفس کافر اس کے اندر پوشیدہ ہے۔

اے بھائی! جس حال میں رہو اور جس کام میں رہو توبہ سے غافل نہ رہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کام فرمانبرداروں کی اطاعت سے

پاک اور گناہگاروں کے گناہوں سے کہیں مقدس ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے کاموں میں علت کو دخل نہیں۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے: **الفضل لمن فضله الله لا بالعمل ولا بالجوهر** (فضل وہ ہے جو خداوند تعالیٰ کسی کو فضل عطا فرمائے۔ فضل کا تعلق نہ کسی کے عمل سے ہے اور نہ کسی کے جوہر سے)۔ اگر فضیلت عمل کی وجہ سے ہوتی تو یقیناً اگلی امتوں کو اس امت پر فضیلت ہوتی اس لئے کہ وہ سات سو سال، آٹھ سو سال اور ایک ہزار سال کی عمر کے ہوتے تھے۔ لہذا ان کا عمل اور ان کی عبادتیں بھی زیادہ ہوتی تھیں اور اس امت کی عمر ساٹھ یا ستر سال ہوتی ہے تو ان کا عمل اور ان کی عبادتیں بھی کم ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود اس امت کو ساری امتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح اگر فضل کا تعلق جوہر سے ہوتا تو شیطان کو آدم پر فضیلت حاصل ہوتی اس لئے کہ شیطان روشن آگ سے ہے اور آدم کی تخلیق خاک سے ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود آدم کو شیطان پر فضیلت حاصل ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ فضل کا تعلق نہ عمل سے ہے اور نہ جوہر سے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ فضل اسی پر ہوتا جس کو اللہ تعالیٰ فضل عطا فرمائے۔ ہاں! تو گفتگو توبہ کے بارے میں ہو رہی تھی۔ اے بھائی! سلطان انبیا اور شہنشاہ اولیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ روزانہ ستر بار استغفار کرتے تھے۔ جب یہ آیت کریمہ **واستغفر لذنبک**[1] نازل ہوئی تو حضورؐ نے ستر سے بڑھا کر سو بار کر دیا۔ جو انتہائی فرنبردار ہیں ان کے لئے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو جتنا مطیع و فرمانبردار اور

---

[1] المؤمن/۵۵

گناہوں سے پاک ہے اس کو ایک لمحہ بھی توبہ و استغفار سے غافل نہیں رہنا چاہیئے اس لئے کہ توبہ و استغفار نہیں کرنے کی وجہ سے انسان ہلاک ہوتا ہے، صرف گناہ کی وجہ سے ہلاکت نہیں ہوتی۔ آدم وابلیس کے واقعہ اور قصہ پر غور کرو اور دیکھو کہ آدم علیہ السلام لغزش کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور ربنا ظلمنا انفسنا پڑھنے لگے اور وہ ملعون گناہ میں پڑا رہا تو ان علیك لعنتی الی یوم الدین کا داغ اس پر لگ گیا۔

اَے بھائی! بندہ کو چاہیئے کہ وہ خود گناہ میں ملوث نہ ہو یعنی گناہ کے قریب نہ جائے۔ اور اگر اس سے گناہ ہو جائے تو جلد از جلد اس گناہ سے نکل آئے جیسا کہ آدم علیہ السلام نے کیا اور وہی کہے جو انہوں نے کہا یعنی ربنا ظلمنا انفسنا. گناہ پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے کہ گناہ پر اصرار کفر کا پیش خیمہ ہے جیسا کہ قابیل نے کیا اور آخر میں وہ کافر ہو گیا۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے اس لئے ارتکاب گناہ کے بعد فوراً توبہ کرنا چاہیئے اور ربّنا ظلمنا انفسنا پڑھنا چاہیئے ۔گناہ پر اصرار کرنے سے اسی طرح بچنا چاہیئے جس طرح کفر سے بچنا چاہتے ہو۔ اس لئے کہ ساری ہلاکت گناہ پر اصرار ہی کی وجہ سے ہے اور شریعت کا فتویٰ ہے کہ: **لاصغیرة مع الا صرار ولا کبیرة مع الاستغفار** (گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ صغیرہ گناہ، صغیرہ نہیں رہتا بلکہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے بعد استغفار کر لینے سے گناہ کبیرہ بھی ختم ہو جاتا ہے)۔

اے بھائی! موت تاک میں ہے، فرصت بھی کم ہے، اچانک کہیں ملک الموت کی پیشانی نظر آگئی تو پھر کیا ہوگا۔ اس لئے

کہ کام بھی ادھورا ہے، اگر چہ تم گناہوں میں آلودہ اور ملوث ہو لیکن توبہ کا دامن پکڑے رہو اور (اس کی رحمت و مغفرت کے) امیدوار رہو۔ تم فرعون کے جادوگروں سے زیادہ آلودۂ گناہ تو نہیں ہو، سگِ اصحاب کہف سے زیادہ ملوث (ناپاک) تو نہیں ہو طور سینا کے پتھروں سے زیادہ جامد تو نہیں ہو اور چوبِ حنانہ سے زیادہ بے قیمت تو نہیں ہو۔ اگر کوئی حبشہ سے غلام کو لائے اور اس کا نام کافور رکھ دے تو اس میں کسی کا کیا بگڑتا ہے۔

اَے بھائی! جب فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کے اندر اس کے فساد کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے تو جانتے ہو کیا جواب ملا؟ ندا آئی کہ ہاں ہاں! سن لو، اگر تمہارے دروازے پر بھیجیں گے تو لوٹا دینا، اگر تمہارے ہاتھ فروخت کریں گے تو نہ خریدنا۔ تم لوگ اس بات سے ڈر رہے ہو کہ اس کے گناہ کی آلودگی ہماری قدوسیت کے کمال کو آلودہ کر دے گی۔ ارے یہ خاک کے پتلے تو ہماری بارگاہ میں مقبول ہیں اور جب ہم نے انہیں قبول کر لیا ہے تو پھر گناہ اور آلودگی ان کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ اسی معنی میں یہ شعر ہے ؎

سراسر باہمہ عیبم بدیدی و خریدی تو ؎ زہی کالائی پر عیب و زہی لطف خریداری

(میں سر سے پاؤں تک عیب ہی عیب تھا اس کے باوجود تو نے دیکھا اور خرید لیا، خرابیوں سے بھرا یہ مال بھی خوب ہے اور آپ کی خریداری کا یہ انداز بھی خوب ہے۔)

فائدہ — ۷

اَے بھائی! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس راہ کے لئے تجرید و تفرید شرط ہے۔ تمام تعلقات اور مخلوقات سے کنارہ کش ہو جانا تجرید ہے اور اپنے آپ سے جدا ہو جانا تفرید ہے۔ نہ دل میں غبار ہو، نہ پشت پر بار ہو، نہ کسی شخصیت میں شمار ہو، نہ سینوں میں خواہشوں کا انبار ہو، نہ کسی مخلوق سے کوئی سروکار ہو۔ اس کی ہمت عرش کے کنگرہ سے بھی بلند ہو' دونوں جہاں سے اس کو وحشت ہو، اپنی مراد (یعنی محبوب) سے انسیت ہو۔ اگر دونوں جہاں بخش دیا جائے اور محبوب کا وصل حاصل نہ ہو تو کوئی خوشی نہ رہے اور اگر دونوں جہاں چھین لیا جائے اور محبوب مل جائے تو پھر کوئی غم، غم نہ رہے۔ کسی بزرگ نے کہا ہے **لاوحشۃٌ مع اللہِ وَلا راحۃ مع غیر اللہ** (اللہ کی معیت میں کوئی وحشت و پریشانی نہیں اور غیر اللہ کی معیت میں کوئی راحت و شادمانی نہیں)۔ جس نے بھی کہا ہے، خوب کہا ہے ؎

باتو دل مسجد است و بی تو کنشت　　　بی تو دل دوزخ است و باتو بہشت

(اگر آپ ساتھ ہیں تو یہ دل مسجد ہے ورنہ یہی دل آتش کدہ ہے۔ بغیر آپ کے یہ جہنم ہے اور آپ مل گئے تو پھر یہی بہشت ہے۔)

اَے بھائی! اللہ تعالیٰ کے سوا جتنی چیزیں ہیں ان کے بغیر تو

گزارا ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی حال میں بھی نہیں رہا جا سکتا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا: اَنابدّکَ اللازم (میں تمہارے لئے لازم و ضروری ہوں)۔ سب سے چھٹکارا ہو سکتا ہے لیکن میرے بغیر گذر نہیں ہو سکتی۔ جب اس منزل پر سالک پہنچتا ہے تو اس وقت دعوے کی ساری تختیاں توڑ دیتا ہے۔ من و تو کی آنکھیں نکال دیتا ہے۔ اس کی نگاہ میں موت و حیات یکساں ہو جاتی ہے، رد و قبول اور مدح و ذم سب اس کے ترازو کے پلڑے پر برابر ہو جاتے ہیں، اس کے دل میں بہشت و دوزخ کی گذر نہیں ہوتی۔ اس کے سینہ میں دنیا و آخرت کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ خوراک و پوشاک کے لئے کسی مخلوق کا احسان مند نہیں ہوتا۔ وہ بلند ہمت غوطہ خور بحر محیط میں جان کی بازی لگا دیتا ہے اور اس کے عوض میں گوہر شب افروز حاصل کرتا ہے۔ بھلا ایسا شخص بوڑھی عورت کے مختصر سے چراغ کے دھوئیں پر کیا جان دے گا۔ اس کا مقصود تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ ہوتی ہے، اس کا ہاتھ ماسوی اللہ کی طرف نہیں بڑھتا۔ اس کے طلب کا پاؤں ہمیشہ آگے کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ عزت و مرتبہ کی سواری کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ ننگ و نام اور عزت و سلامتی کی تختی کو اچھی طرح صاف کر لیتا ہے۔ اس کے دل سے یہ آواز آتی ہے: لَوْ زَحْمنِی العَرْش لمحقبة (اگر عرش مجید بھی میری ہمت کے سامنے آئے تو میں اسے پامال کر دوں)۔ ولواقبلنی الکونین لھدمتہ (اور اگر دنیا و آخرت اپنے آپ کو میری ہمت کے آگے پیش کرے تو میں اسے اپنے قدموں سے روند کر نیست و نابود کر دوں)۔

اس کا عیش و آرام بس اسی میں ہوتا ہے کہ وہ ہر لمحہ طلب

کے طور سینا پر چکر لگاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح ارنی کی صدا دیتا ہے اور مطلوب کی طرف سے شرم و حیا کے ساتھ لن ترانی کا جواب پاتا ہے۔ قابل تعریف ہے یہ کام اور لائق ستائش ہے پانی و مٹی سے بنی ہوئی اس مخلوق کی یہ دیوانگی۔ جب مرید صادق کو تجرید و تفرید کا یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو عالم میں اس کی جلوہ نمائی اور عزت افزائی یوں کی جاتی ہے. یاداؤد اذا رایت لی طالبا فکن لہ خادماً (اے داؤد! جب تم میرے کسی طالب کو دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ)۔ جب داؤد علیہ السلام جیسے پیغمبر کو وہ اپنے طالبوں کا خادم بنادے تو پھر اسی سے سمجھ لو کہ دوسروں کی کیا حقیقت ہے۔

"خدائی" عقل و قیاس سے پرے ہے۔ اس کا تعلق اس کی مشیت و مرضی سے ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ آذر کے بت کدے سے ابراہیم خلیل اللہ کو پیدا کردے اور کعبۃ اللہ کے بت خانہ سے محمد حبیب اللہ کو ظاہر فرمادے۔ یعنی جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ مرید پر اس معنی کا انکشاف آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور مرتبہ بمرتبہ اس مقام پر پہنچتا ہے، انشاءاللہ تعالیٰ۔

اَے بھائی! دین کی راہ میں جو کانٹا بھی سامنے آئے اسے پکڑ لو اور ہاتھ میں لے لو۔ اگر آج وہ کانٹا ہاتھ سے چھوٹ گیا تو کل اسی کانٹے سے تیر بنا کر تمہارے قلب و جگر میں چبھوئیں گے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام ہم کلامی کی دولت سے سرفراز کئے گئے وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ [1] (اللہ نے موسیٰؑ سے حقیقتاً

---

[1] النساء، ۱۶۴

کلام کیا) اور ایک لاکھ چوبیس ہزار چودہ کلمات بغیر کسی واسطہ کے ان پر نازل کئے گئے۔ اس وقت وہ سر سے پاؤں کے ناخن تک ہمہ تن گوش ہو جاتے، سارے اعضاء کو قوت سماعت حاصل ہو جاتی اور اس طرح سنتے جیسے کان سے سن رہے ہوں۔ جس کلمہ کا بھی ان پر نزول ہوتا اس سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی اور اس وقت ایسے ہو جاتے جیسے ان کا وجود ہی نہ ہو، اور جب ہوش میں آئے تو وقتلت نفساً یا موسیٰ (اَے موسیٰ میری وحی کے بغیر تم نے قبطی کو کیسے قتل کر دیا) کا تازیانہ ان کے دل پر لگایا جاتا۔ اگر دوزخ کے ساتوں طبقے کا عذاب حضرت موسیٰؑ کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ اذیت نہ ہوتی جو قبطی کے قتل سے متعلق اس سوال سے ہوتی تھی۔ تمام نوازش و کرم کے باوجود یہ ایک کانٹا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کی راہ میں چھوڑ دیا گیا تھا اور ان کے دیدۂ دولت میں چبھا کرتا تھا۔

اَے برادر! مردانہ وار زندگی گذارو۔ اور مردوں کی جو غذا ہے وہ کھاؤ۔ عاشقوں کی نگاہ میں اتھاہ سمندر مختصر پانی کی حیثیت رکھتا ہے اور پہاڑ کی حیثیت تنکے کی ہوتی ہے۔ وفا ہو یا جفا، منع ہو یا عطاء ان کی نظر میں سب برابر ہے اور یہی صدق کی پہچان ہے۔ کہا گیا ہے کہ محبت کے شہباز نے عزت کے آشیانہ سے پرواز کی۔ عرش پر پہنچا تو وہاں شان عظمت دیکھی، اسے چھوڑا، کرسی تک آیا، وہاں وسعت نظر آئی۔ اسے بھی ترک کیا اور وہاں سے چل کر آسمان پر پہنچا۔ وہاں رفعت پر نظر گئی۔ وہاں سے گذر کر

زمین پر آیا۔ یہاں محنت کا مشاہدہ کیا۔ پھر کیا تھا، اتر آیا۔ پوچھا گیا: آخر ایسا کیوں؟ اس نے کہا میں محبت ہوں اور یہ محنت ہے، ظاہری اعتبار سے ہمارے اور اس کے درمیان صرف نقطہ کا فرق ہے اور معنوی حیثیت کو تو وہی جانتا ہے، جو جانتا ہے۔ دوسرا کیا جانے۔

لوح محفوظ میں سب سے پہلا لفظ جو لکھا گیا وہ یہی لفظ ''محبت'' تھا۔ ''ب'' کا نقطہ ''ن'' کے نقطہ سے مل گیا اور لفظ 'محبت' لفظ 'محنت' بن گیا۔ غور سے دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ دونوں کی ترکیب ایک ہی ہے صرف نقطے کے اوپر نیچے ہونے کا فرق ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ (لفظ محبت کے) ہر نقطہ میں لاکھوں قہر و سختی پوشیدہ ہیں اور ہر حرف میں لاکھوں زہریلے شربت کے جام ہیں۔ جو اس کے دوست ہیں وہ ہر لمحہ مرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ لیکن انہیں خطاب ہوتا ہے کہ **اصبروا وصابروا ورابطوا و اتقوا اللہ لعلکم تفلحون**[1] (صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو جاؤ۔)

واللہ اعلم بالصواب.

---

[1] آل عمران / ۲۰۰

فائدہ — ۸

اے برادر! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ بشر تمام موجودات کا خلاصہ ہے اور ساری مخلوقات کا نچوڑ ہے۔ جو کچھ رکھتا ہے، بشر رکھتا ہے۔ باقی سب نقش بر دیوار ہیں اس لئے غفلت سے کام نہ لو۔ آب و گل کے اس پتلے میں جو ملے گا وہ اٹھارہ ہزار عالم میں نہیں پا سکتے۔ **ونفخت فیه من روحی** [1] (اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی)۔ غور کرو! فرشتوں کو مقام طہارت و قدس پر فائز کرنے کے باوجود صرف یہی کہا گیا **بل عباد مکرمون** [2] (بلکہ بندے ہیں عزت والے) لیکن جہاں تک محبت کا معاملہ ہے یعنی اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ نعمت تو اسی مٹی اور پانی کے پتلے کے حصے میں آئی۔ **یحبهم و یحبونه** [3] کے لایق اسی کو سمجھا گیا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

خاک راچوں کار با پاک او فتاد
پیش آدم عرش در خاک او فتاد

(خاک کو جب اس رب قدوس سے نسبت ہوئی تو آدم کے سامنے عرش بھی جھک گیا۔)

اَے بھائی! جب صانع قدرت نے اپنے کمال قدرت سے مشت خاک کو اپنے قریب کر لیا تو چالیس سال تک اسے اپنے آفتاب نظر کے سامنے نئے انداز میں رکھا یہاں تک کہ اس کی ہستی کی نمناکی اس سے جاتی رہی۔ اس وقت فرشتوں کو حکم ہوا کہ جایئے اس عجیب و غریب صورت والے کی بارگاہ میں

---

[1] سورہ ص/۷۲ [2] الانبیا/۲۶ [3] مائدہ/۵۴

حاضری دیجئے۔ اس کو اور اس کے آستانہ کو جو عظمت و جلال میں سات آسمانوں سے بھی پرے ہے، بوسہ دیجئے۔ **فقعوا له ساجدین** [۱] (تو تم اس کے لئے سجدے میں گرنا) یعنی فرشوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ یہ مرتبت، یہ عزت، یہ برکت اور یہ قدر و منزلت کیا مٹی کی ہو رہی تھی؟ جی نہیں، یہ تو سلطان دل کے لئے تھا، وہ دل جو اللہ کے لطیفوں میں سے ایک خاص لطیفہ اور شاہی اسرار کا ایک خاص راز ہے۔ **قل الروح من امر ربی** (آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے) کے غیبی معنی کو آدم کے صحیفۂ دل پر نقش فرمایا۔

اور خواجہ عالم ﷺ کی زبان پاک نے **خلق آدم علی صورته** (آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کے اعلان کے ذریعہ اس راز کو افشا فرمایا۔ اور یہ بھی معلوم رہے کہ یہ مثال اور تشبیہ کے طور پر نہیں کہا گیا ہے بلکہ یہ ایک بہت بڑا راز ہے۔ جب اعلیٰ مدارج پر فائز ملائکہ نے یہ حسن، یہ بزرگی اور اس جاہ و مرتبت کا معائنہ کیا تو اس خاک بے باک کے آستانہ پر اپنی روحیں نثار کرنے لگے۔

ہاں! وہ ابلیس لعین جو اپنے زمانے کا چمگادڑ تھا، جب آدم کے آفتاب اقبال کے سامنے ہوا تو اپنی آنکھوں کو ملنے لگا اور اپنی بدنصیبی سے اس دولت گرانمایہ کا ایک ذرہ بھی نہ دیکھ سکا۔

آدم کی ذات اسرار غیب کی امانت گاہ تھی ورنہ اس مشت خاک کی یہ اہلیت کہاں کہ مقامات قدس کے رہنے والے اور منابر و انس پر خطبہ دینے والے اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے۔ اس مشت خاک بے حاصل کو یہ مقام کہاں ملتا کہ جبرئیل و میکائیل جیسے صاحب تمکین فرشتوں کو حکم دیا جائے کہ **اسجدوا** (سجدہ میں چلے جاؤ)۔

---

[۱] سورہ ص/ ۷۲

مشت خاک میں چھپا ہوا وہی لطیفۂ دل تھا جس کی وجہ سے آدم کو مسجود ملائک ہونے کی خلعت عطا کی گئی۔ دنیا کے تمام دانشمند حیرت میں انگشت بدنداں ہیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس مشت خاک کو اس درجہ محبوب بنالیا گیا؟ کسی بزرگ نے ٹھیک کہا ہے کہ حق کی قسم! حق اپنے سوا کسی دوسرے کو دوست نہیں رکھتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو اپنی صنعت سے محبت کرتا ہے وہ دراصل اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت میں پہنچے، شریعت نے مطالبہ کیا: **ولا تقربا هذه الشجرة**[۱] (اور اس درخت کے پاس نہ جانا)۔ طریقت نے مشورہ دیا: **اهبطو امنها**[۲] (تم سب جنت سے اتر جاؤ)۔ حضرت آدمؑ نے سوچا کہ جنت میں آراستگی کا سامان ہے، خواجگی اور سرداری کا ماحول ہے لیکن میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ چند روز کے لئے اپنے غمکدہ ارضی میں چلا جائے اس لئے کہ میری بات خواجگی سے میل نہیں کھاتی۔ اس وقت غیب سے ندا آئی کہ اے آدم! کیا مسافرت اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ جواب دیا: کیوں نہیں؟ مجھے تو اسی راہ میں نکلنا ہے اور اسی راہ سے واسطہ ہے۔ ندا آئی کہ پھر کیا ہے، کام میں لگ جایئے۔ آدم نے جواب دیا: وہ کام یہاں نہیں ہو سکتا۔ یہ تو بہشت ہے جہاں فرشتے ہیں، رضوان ہیں نوکر و چاکر ہیں، خواجگی و سرداری ہے۔ کہا گیا کہ پھر تیار ہو جایئے، دارالسلام کو دارالملام سے بدلنا ہوگا۔ سلامتی کے گھر سے ملامت کے گھر میں جانا پڑے گا۔ سرداری کا تاج سر سے

---

[۱] البقرۃ/۳۵ [۲] البقرۃ/۳۸

اتار کر افلاس کے گرد وغبار کا تاج سر پر رکھنا ہوگااور نیک نامی کو وعصی ادم ربہ[1] کی ملامت سے تبدیل کرنا ہوگا۔ فرمایا کہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ندا آئی کہ جب آپ تیار ہیں تو پھر مجھے بھی کچھ پروا نہیں۔ اس کے بعد آدمؑ نے دولت خانۂ خلافت پر دست غارت دراز کر دیا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جائے کہ آدم سے بہشت چھین لی گئی بلکہ یوں کہا جائے آدم کو بہشت سے چھین لیا گیا۔ جب روتے ہوئے دل کو بھنے ہوئے مرغ میں لذت نہیں مل سکتی تو پھر کوئی سوختہ جاں اور خستہ جگر حور اور جنت کے محلات کو کہاں آنکھ لگا سکتا ہے۔

اس مٹی اور پانی کو حقیر نہ سمجھو۔ جو کچھ ہے اسی آب و خاک میں ہے۔ جو کچھ آیا ہے اسی آب و خاک سے آیا ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ نقش بر دیوار ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ عزیزان طریقت نے کہا ہے کہ اگر دولت وسعادت کے لاکھوں خزانے آدم پر نثار کر دیئے جاتے تو وہ بات نہ ہوتی جو وعصی ادم ربہ[1] کے ذریعہ دنیائے قہر سرا میں لانے سے پیدا ہوئی۔ اگر آدم کا قدم عصمت اس دنیا کے لئے نہیں پھسلتا تو یہ ایک مسئلہ بن جاتا۔ یہ لا الہ الااللہ کی بارگاہ کے لئے غیرت کی بات ہوتی۔ وہ گوہر نایاب یعنی حضرت آدمؑ جن کو اللہ تعالیٰ نے خلقتُ بیدی[2] (میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا) کی خلعت سے آراستہ فرمایا۔ ایسے شہنشاہ کے لئے وَعصی ادم ربہ کی قبا اور دستار ہے۔ فردوس اعلیٰ اور دارالسلام میں جس نوازش و کرم کا سلوک تھا وہ قدرت کی مہربانیاں تھیں۔ وہاں کی ساری نعمتیں آدم پر

---

[1] طٰہٰ/۱۲۱ [2] ص۔۷۵

عاشق تھیں اور بھلا عشق کیوں نہ ہوتا۔ انہوں نے قدرت کا تعجب میں ڈالنے والا ایسا نمونہ کہاں دیکھا تھا۔ سب نے عشق کے پنجہ سے آدمؑ کے دامن کو پکڑ لیا۔ ادھر ہمت کی بلندیوں پر فائز حضرت آدمؑ کا یہ حال کہ وہ ان سب سے دل اٹھا چکے تھے۔ وہ حکم کی بجا آوری اور حکم کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے بے چین تھے لیکن بہشت میں یہ کام مشکل تھا۔ اس لئے کہ بہشت تو ناز و ادا کی جگہ ہے۔ وہاں احکام کی بجا آوری کا سوال ہی نہیں۔ وہ تو کچھ اور ہی مقام ہے۔ لہذا درخواست کی، خداوندا! مجھے کوئی بہانہ چاہیئے اور کسی بہانہ کا موقع دیا جائے تاکہ مجھے جنت الفردوس اور وہاں کی حوروں سے نجات مل جائے۔ پھر کیا تھا؟ گندم کے درخت کو بہانہ بنا دیا۔ اور سارے جہاں میں یہ اعلان کر دیا گیا وعصیٰ آدم ربہ۔ اس اعلان کے بعد سب نے آدمؑ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

اَے بھائی! آدمؑ کی راہ طے کئے بغیر آدمؑ کی بات نہیں کی جا سکتی۔ آدم کو دین کی فکر تھی اور دین کا غم تھا اس لئے انہوں نے سلامتی کے گھر کو چھوڑ کر ملامت کے گھر کو اختیار کر لیا۔

جس وقت ندا آئی کہ اے آدم! ذرا غور کر لیجئے۔ شیطان سے عداوت کے لئے تیار ہو جایئے، برگزیدگی کو چھوڑنا ہو گا۔ نیک نامی ہٹا کر گناہوں کا داغ لگانا ہو گا۔ طلب خلافت کی جگہ پر طاعت کی نعلین کو تاج بنانا ہو گا۔ اس وقت حضرت آدمؑ نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ میں ہر کام کے لئے تیار ہوں مگر اس بات کے غم و اندوہ کو میرے زوال کا سبب نہ بنا۔

حضرت آدمؑ نے اس طرح اپنے آپ کو بہشت سے نکال لیا اور جنت الفردوس کو جو ساری ناز و نعمت کے ساتھ حاصل تھی فوراً

چھوڑ دیا۔

اَے بھائی! اگر سارے پاکبازوں کی عصمت اور سارے معصوموں کا اخلاص تمہاری فطرت میں داخل کر دیا جائے تو اس کی طرف ہرگز مائل اور فریفتہ نہ ہونا۔ اور اگر حسرت و افسوس سے زہر آلودہ قہر کی ہزاروں تلواریں تمہارے سر پر چلائی جائیں تو ان سے شکست نہیں کھانا۔

اَے بھائی! جب اس کی بارگاہ کا حال جبرئیل و میکائیل کو معلوم نہیں تو پھر ہم اور تم اور ہم لوگوں کے جیسے کس گلی میں ہیں اور ہم لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟ آدم علیہ السلام کو پیغمبری عطا فرمائی۔ فرشتوں کو ان کے سجدہ کا حکم ملا یعنی مسجود ملائک بنائے گئے۔ بہشت ان کی ملکیت میں دی گئی اور پھر یکایک بہشت سے برہنہ کر کے نکال دیئے گئے اور سارے عالم میں اعلان کر دیا گیا کہ **وعصی ادم ربه فغوی**[ل] (آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی)۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ تاج و تخت یعنی پوری بادشاہت کے ساتھ جس روز بہشت میں جلوہ افروز کئے گئے اسی روز بہشت سے برہنہ کر کے نکال دیئے گئے۔

اَے بھائی! ہمارے باوا آدم جن کی قیام گاہ بہشت کو بنایا، جن کے سر پر عصمت کا تاج رکھا، خلافت کی قبا جن کے زیب تن کیا، جب وہ بغیر بلا کے تھوڑی دیر بھی نہ رہ سکے اور بغیر محنت کے ایک قدم بھی نہ چل سکے تو پھر ہم اور تم جو ان کی اولاد ہیں، جو بلا خانہ اور آزمائش گاہ میں سرگرداں و پریشان ہیں ہزاروں گناہوں کا بوجھ اپنے گردن پر رکھتے ہیں، معصیت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس کے عذاب و گرفت کے

ل طٰہٰ/۱۲۱

مستحق ہیں، اگر بغیر محنت کے ایک سانس لے لیں اور بغیر بلا کے ایک قدم چل جائیں تو کیا یہ ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ اے بھائی! جب ماں کے شکم میں تھے تو ہماری غذا اور خوراک خون کے سوا کیا تھی۔ پھر ایسے خوں آشام کو اپنی مراد اور راحت سے کیا مطلب اور شادی و مسرت سے کیا واسطہ۔ ذرا ان کی فریاد پر غور کیجئے جو انبیاء کے سلطان اور اولیا کے شہنشاہ ہیں یعنی سرکار دو عالم ﷺ فریاد کرتے ہیں: **یالیت رب محمد لم یخلق محمداً** (اے کاش محمد کا رب محمد کو پیدا ہی نہ کرتا!) اور وہ ذات مقدس جو انبیا اور رسل کے بعد افضل البشر ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق ؓ یوں نالہ و فریاد کرتے ہیں کہ کاش میں درخت کی پتی ہوتا جسے بکری کھا جاتی اور وہ عالی مرتبت شخصیت جن کے شان میں ارشاد رسول ہے کہ **انامدینة العلم وعلی بابها** (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازہ ہیں) یعنی حضرت علی مرتضیٰ ؓ اس فضیلت کے باوجود یوں گریہ وزاری کرتے ہیں کہ کاش میں اپنی ماں کے حیض کا خون ہوتا تاکہ میرا وجود ضائع ہو جاتا۔ اَے بھائی! جب ایسے اکابرین کا یہ حال ہے تو پھر ہم اور تم کون ہوتے ہیں جو اپنی مراد اور راحت و مسرت کی تمنا اور آرزو کریں؟ ہمارے اور تمہارے سامنے جو معاملہ ہے اور ہم لوگوں کو جن چیزوں سے واسطہ ہے ان کا بوجھ ایسا ہے جس کو نہ پہاڑ اٹھا سکتا ہے اور نہ آسمان و زمین برداشت کرسکتا ہے۔ ایسی صورت میں جس حال میں بھی رہو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے رہو اور یہی دعا کرتے رہو ؎

یا اِلٰہ العالمین درماندہ ام — غرق خوں در خشک کشتی راندہ ام
درمیان راہ تنہا ماندہ ام — کس ندارم بی سر و پا ماندہ ام

(اے الہ العالمین ! میں عاجز اور مجبور ہوں۔ مری کشتی خون سے آلودہ خشکی پر چل رہی ہے۔ میں راستہ میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ میرا کوئی بھی نہیں ہے، میں بالکل بے سہارا ہوں۔)

اے بھائی! آج ہم جس دنیا میں ہیں یہاں ہزاروں بلاؤں کا نزول ہے اور اوامر و نواہی کی ہزاروں آفتیں در پیش ہیں۔ شیطان اور نفس تاک میں ہے۔ایسے میں اگر گناہ کا صدور نہ ہو تو یہ حیرت اور تعجب کی بات ہے۔

ایک روز حضرت آدم علیہ السلام کی نگاہ ابلیس لعین پر پڑی تو اس سے فرمایا:

اے ملعون! تو نے میرے ساتھ یہ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا: اے آدم! تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ ایسا کیا تو یہ تو بتاؤ کہ میرے ساتھ ایسا کس نے کیا؟ جس نے بھی کہا ہے، خوب کہا ہے؎

صیاد ازل دانہ کہ بردام نہاد — مرغی بگرفت و آدمش نام نہاد

ہر نیک وبدی کہ درجہاں می گذرد — خودمی کند و بہانہ برعام نہاد

(صیاد ازل[1] نے جال میں دانہ ڈالا، ایک پرندہ شکار ہوا اور اس کا نام آدم رکھ دیا۔ دنیا میں جو نیکی وبدی ہوتی ہے وہ خود کرتا ہے اور بہانہ دوسروں کو بناتا ہے۔)

اے بھائی! شیطان کون ہوتا ہے اور نفس کیا چیز ہے۔ معاملہ تو یہ ہے کہ ہماری حیثیت بس ایسی ہے جیسے بلّے کے سامنے گیند کی ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں تدبیر کی کیا بات کی جائے۔ جو اللہ چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور جس کام کا ارادہ کرتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے **یفعل اللّٰہ مایشاء[2] و یحکم مایرید[3]**

---

[1] بعض نسخوں میں اجل ہے۔ [2] ابراہیم / ۲۷ [3] مائدہ / ۱

فائدہ ـــــ ۹

اے بھائی! سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ جسم، کپڑا اوز غذا پاک اور حلال ہو۔ اس کے بعد حواس خمسہ کو گناہ اور نافرمانی سے پاک رکھنا چاہیئے اور دل کو بخل، کینہ اور حسد سے بلکہ تمام بری عادتوں سے پاک و صاف رکھنا چاہیئے۔ جب پہلی طہارت حاصل ہو گئی تو مرید نے دین کی راہ میں ایک قدم طے کیا، جب دوسری طہارت حاصل ہوئی تو دین کی راہ میں دو قدم طے کیا اور جب تیسری طہارت میسر ہوئی تو مرید نے دین کی راہ میں تین قدم طے کیا۔ اس وقت توبہ کی حقیقت ظاہر ہوئی اور مرید حقیقت میں تائب ہوا۔ اسی کو گردش کہتے ہیں یعنی آلودگی اور ناپاکی کی حالت سے پاکی اور طہارت کی حالت میں داخل ہونا یہی تو گردش ہے۔ کلیسا تھا مسجد ہو گیا، بت خانہ تھا عبادت خانہ میں بدل گیا۔ اس وقت مرید کے دل پر آفتاب ایمان طلوع ہوتا ہے۔ اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے۔ معرفت کا دروازہ اس کے سینہ میں کھل جاتا ہے۔ لیکن طہارت کے بغیر کوئی معاملہ بھی ہو اور کیسا ہی مجاہدہ ہو، نہیں کے برابر ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

اوصاف ذمیمہ چوں بدل شد
ہر عقدہ کہ در تو بود حل شد

(جب اوصاف ذمیمہ بدل گئے، جتنے مشکل عقدے تھے حل ہو گئے۔)

جب توبہ نصیب ہوگی تب ہی ایمان کا آفتاب طلوع ہوگا۔

ایمان کا آفتاب افق سینہ پر اسی مقدار میں روشن ہوتا ہے جس مقدار کی توبہ ہوتی ہے معلوم ہوا کہ توبہ کے مقام کو درست کرنا ہی سب سے اہم کام ہے۔ اسی مضمون کو ان اشعار میں سنو۔ رباعی ؎

اے پیر گنہگار در توبہ کشادہ است — انواع نعم بہر تو آمادہ نہادہ است
بشتاب سوئی توبہ کہ از مادر گیتی — از کردن تاخیر بسے واقعہ زادہ است

(اے ضعیف گنہگار! ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور تیرے لئے طرح طرح کی نعمتیں تیار ہیں۔ جلدی کر اور توبہ کی طرف مائل ہو جا۔ اس لئے کہ دیر کرنے سے روئے زمین پر بہت سارے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔)

سنو! وہ تبارک وتعالیٰ جس کی صفت **فعال لمایرید** ہے، جب چاہتا ہے تو کسی کو بت کے سامنے سے اٹھالیتا ہے اور ابھی سجدہ گاہ سے اس کے سجدوں کی گرمی زائل بھی نہیں ہوئی ہے کہ چشم زدن میں وہاں سے اٹھا کر اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں فرشتوں کی بھی گذر نہیں اور ایسی صفت سے آراستہ کر دیتا ہے کہ اگر انسان، جن اور فرشتے وہاں تک پہنچنا چاہیں تو ان کی رسائی ممکن نہیں۔ وہ اس کا نشان تلاش کرتے کرتے سرگرداں ہو جائیں گے اور یہی کہیں گے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ کس مقام پر پہنچ گیا۔ اس وقت فاعل حقیقی کی طرف سے جواب ملے گا: **فعال لمایرید**۔ جو میں نے چاہا وہ کیا۔ مری بارگاہ میں چوں و چرا کی مجال کہاں۔ علت کو دخل کہاں۔ میرے دربار کا معاملہ بغیر علت کے ہے۔ میں کسی کو بایزید بنا دیتا ہوں تو کسی کو ابوجہل، کسی کو اعلی علیین پر فائز کر دیتا ہوں اور کسی کو اسفل السافلین میں ڈال دیتا ہوں۔ یہاں علت کہاں۔ اس طرح کے

سوالات سے باز آجاؤ اور چوں وچرا کو عالم انسانیت کے لئے اٹھا رکھو۔ جس نے بھی کہا خوب کہا۔ مثنوی ؎

ہیبت ایں راہ کاری مشکل است
صدجہاں زیں سہم پر خون دل است

خون صدیقاں ازیں حسرت بریخت
آسماں بر فسق ایشاں خاک ریخت

(اس راہ کی ہیبت ایک مشکل بات ہے۔ اس کے خوف سے سینکڑوں عالم کا دل خون آلود ہو چکا ہے۔ اس کی حسرت میں صدیقوں کا خون بہہ گیا اور آسمان ان کے فسق وفجور پر خاک اڑاتا ہے۔)

اَے بھائی کسی کا ایمان و طاعت نہ اس کے کمال و جمال میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کسی کا کفر و معصیت اس کے نقصان و زوال کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر سارا جہاں خانۂ کعبہ بن جائے اور تمام جن وانس ابو بکر صدیقؓ ہو جائیں تو اس سے کیا۔ اسی طرح اگر ساری دنیا بت خانہ ہو جائے اور سارے جن و انس نمرود و فرعون ہو جائیں تو کیا فرق پڑنے والا ہے۔ اسی بات کو کسی نے کہا ہے ؎

بے نیازیش راچہ کفر وچہ دیں
بے زبانیش را چہ شک وچہ یقیں

(اس کی بے نیازی کو کفر و دین سے کیا مطلب، اس کی خاموشی کے آگے شک کیا اور یقین کیا۔) ؎

نہ از عیسیٰ رسد سودت نہ موسیٰ
نہ از فرعون زیاں بودت نہ نمرود

(نہ تجھے عیسیٰ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ موسیٰ، اور نہ فرعون و نمرود تیرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔)

فائدہ ــــ ۱۰

اَے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ دنیا میں سب سے پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو مٹی سے پیدا کیا اور مقام اجتباء و اصطفاء پر فائز کیا یعنی اپنا برگزیدہ بنایا۔ خلافت کی سند عطا فرمائی۔ سب سے پہلے مکہ اور طائف میں چلہ کش رکھا۔ اس لئے مرید کو حلقۂ مریدی میں داخل ہوتے ہی چلہ کا حکم دیا جاتا ہے۔ جب تجرید کا چلہ مکمل ہوا تو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے روح کا فائدہ عطا کیا۔ آپ کے دل میں عقل کا چراغ روشن فرمایا تو حکمت کا نور دل سے زبان پر آگیا۔ اس وقت حرکت پیدا ہوئی اور مسجود و ملائکہ تو خلافت پا ہی چکے تھے، اٹھے اور مسافرت کے انداز میں بہشت کی طرف چل پڑے۔ حکم ہوا کہ حواس اور اعضاء کو اختیار میں رکھئے اور اپنے اختیار و مرضی سے کوئی کام نہ کیجئے اس لئے کہ مرید اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جرأت کی اور حالت انبساط میں دست درازی شروع کردی۔ پھر کیا تھا، پھر غیبی کمیں گاہ سے عتاب کا زخم لگا کہ وعصی آدم ربہٗ دل کو چوٹ لگی۔ استغفار میں مشغول ہوگئے اور پڑھنے لگے ربنا ظلمنا انفسنا (الی اخرہ)۔ صوفیا کے یہاں استغفار کی جو سنت ہے وہ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ سرداری اور خلافت کے تمام لوازمے ہٹادیئے گئے، برہنہ کردیئے گئے اور آپ کا

اس وقت یہ حال کہ استغفار کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہیں۔ حکم ہوا:
اے آدم! اب سفر دنیا اختیار کیجئے اس لئے کہ مریدی کی یہ شرط ہے
کہ جب کوئی لغزش ہو جائے تو سفر اختیار کیا جائے۔ لہذا تنہا اور برہنہ
سفر کا ارادہ کر لیا۔ چوں کہ آپ کا جسم برہنہ تھا اس لئے حکم ہوا کہ
دست سوال دراز کیجئے۔ درختوں سے پتے مانگنے لگے۔ تین پتے
حاصل ہوئے۔ ان تینوں کو لے کر ایک مرقع تیار کیا اور اسی کو زیب
تن فرما کر اس عالم خاک کے سفر پر نکل پڑے۔ تین سو سال تک
حسرت کے آنسو بہاتے رہے۔ جب صفائی ملی اور تصفیہ حاصل ہوا تو
اس وقت ان اللہ اصطفیٰ آدمؑ کی بشارت دی گئی۔ اب حضرت آدمؑ
صوفی ہوئے۔ وہ پوشاک جو درختوں سے مانگ کر پتوں سے بنایا تھا،
حضرت آدم کو بہت پسند تھی۔ اس کو بہت عزیز رکھتے یہاں تک کہ
جب عمر کا آخری حصہ آیا تو وہ خرقہ حضرت شیث علیہ السلام کو
پہنا دیا۔ خلافت ان کے حوالہ کی اور اسی وقت سے یہ طریقہ رائج ہوا۔
تصوف کی دولت انبیائے کرام کی اولاد میں پھیلی۔ سفر اختیار کرنے
والے صوفیوں کو دنیا میں ایک ایسی جگہ کی ضرورت پیش آئی جہاں
سب ایک ساتھ بیٹھ کر گفتگو کریں، اپنے حالات بیان کریں اور اسی
غرض سے دنیا میں کعبہ کو دنیائے وجود میں لایا گیا اوز دنیا میں سب
سے پہلی خانقاہ یہی کعبہ ہے جس کو حضرت آدمؑ نے بنایا، اس لئے کہ
کعبہ کی تعمیر سے پہلے کوئی خانقاہ نہیں تھی۔

فائدہ — ۱۱

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ مرید کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے جیسا ہونا چاہیئے اور پیر کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جیسا۔ اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: **ماصبب اللّٰہ شیئافی صدری الاّ وقدصببت فی صدرابی بکر** (جو میرے قلب میں اتارا گیا وہ میں نے ابو بکر کے قلب میں اتار دیا)۔ یہ خوب انصباب ہے جو قلب سے قلب میں ہوتا ہے، اس کی خبر کان اور زبان کو بھی نہیں ہوتی۔ کتنے اچھے مرید ہیں اور کیا خوب پیر ہیں! سبحان اللہ! رہتی دنیا تک نہ ایسے پیر دیکھنے میں آئیں گے اور نہ ایسے مرید کے بارے میں سنا جائے گا۔ یہ جو کہتے ہیں کہ مرید کو پیر پرست ہونا چاہیئے وہ یہی ہے۔ اگر تمہاری حرکات و سکنات پیر کے حکم کے مطابق ہیں تو تم پیر کے مرید ہو اور اگر تم اپنی خواہش اور ارادے پر چل رہے ہو تو تم اپنی مراد کے مرید ہو، پیر کے مرید نہیں۔ اسی موقع کے لئے کسی نے کہا ہے ؎

خود را بر کابِ رہبری بند
تا باز رہاندت ازیں بند

(اپنے آپ کو کسی رہبر کے قدموں میں ڈال دے تاکہ وہ تیری خواہش اور تیری مراد کی قید سے تجھے نجات دلا دے۔)

جماعتِ صوفیا کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر پیر مرید کو کسی ایسے کام کا حکم دے جو بظاہر شریعت کے خلاف ہے اور مرید اپنے پیر کے حکم کے مطابق اس خلاف شرع کام کو کرتا ہے تو وہ پیر کا مرید ہے اور اگر وہ

اپنے پیر کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے شرع کے مطابق کرتا ہے تو وہ اپنے دین کا مرید ہے، پیر کا مرید نہیں ہے۔ ایسے ہی موقع کے لئے کسی نے کہا ہے ؎

ہر چہ او گفت راز مطلق داں
ہر چہ او کرد کردۂ حق داں

(پیر نے جو کچھ کہا اس کو راز مطلق سمجھو اور اس کے کاموں کو خدا کا کام جانو۔)

مریض کے لئے یہ مناسب کہاں کہ وہ طبیب کے حکم کے خلاف کوئی کام کرے۔ اس کو یہ حق کہاں پہنچتا ہے کہ وہ طبیب کو یہ حکم دے کہ مجھے یہ دوا دیجئے اور وہ دوا نہ دیجئے، مجھے اس پرہیز پر نہ رکھئے، مجھے اس پرہیز پر رکھئے۔ اگر اس مریض کو علم طب کی جانکاری ہے تو پھر وہ طبیب کی خدمت میں کیوں حاضر ہوا؟ اپنا علاج آپ کر لیتا۔ پیری اور مریدی کو اسی اصول پر محمول کرتے ہوئے یوں سمجھو کہ اگر پیر پیری کے لائق نہیں ہے تو وہ خود ابھی مریض اور بیمار ہے، اسے خود طبیب کی حاجت ہے، اس کو یہ حق کہاں پہنچتا ہے کہ دوسرے کا علاج کرے۔ معلوم ہوا کہ ان معاملات میں سارا فساد اسی وجہ سے ہے کہ نہ مرید جانتا ہے کہ مریدی کیا ہے اور نہ پیر جانتا ہے کہ پیری کیا ہے۔ لوگ حقیقت سے دور ہیں' صرف رسم کی ادائیگی کر رہے ہیں اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں ہلاکت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

ہیچ نہ در کاسۂ و چندیں مگس
ہیچ نہ در قافلہ چندیں جرس

(پیالہ میں مکھیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور قافلہ میں کوئی نہیں ہے صرف جرس کی آواز گونج رہی ہے۔)

اگر مرید پیر کے افعال کو اپنے علم و عقل کے ترازو پر تولنا چاہے تو

ایسے مرید کو مریدی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ خود پیر بن جاتا۔ اگر بنیئے کے ترازو پر پہاڑ کو تولا جاسکتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ مرید اپنے ناقص عقل کے ترازو پر پیر کے افعال کو تول لے۔ لیکن جس طرح وہ ناممکن ہے اسی طرح یہ محال ہے۔ اس طرح کی باتیں سعادتمند اور ہدایت یافتہ مریدوں کے دل میں بہت کم پیدا ہوتی ہیں۔ اتنی گفتگو صرف اس ایک بات پر ہوگئی کہ اگر پیر مرید کو کسی خلاف شرع کام کے کرنے کا حکم دے تو مرید کو چاہیئے کہ پیر کے اس خلاف شرع کام کے حکم پر عمل کرے اور پیر کے حکم کی بجا آوری کرے۔ جس نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے ؎

ہر چہ او گفت راز مطلق داں
ہر چہ او کرد کردۂ حق داں

(پیر نے جو کچھ فرمایا اسے مطلق راز سمجھو اور اس نے جو کیا اس کو حق کا فعل جانو۔)

کسی جاہل اور منکر سے بحث میں نہ الجھو، اس کے اعتراض کا جواب نہ دو۔ اس لئے کہ یہ باتیں اس کے حوصلہ اور فکر سے باہر ہیں۔ اس نے پوری زندگی میں یہ سب باتیں کہاں سنی ہیں۔ یہ سب باتیں سن کر وہ کہہ اٹھے گا: **هٰذَا اِفْكٌ قَدِيمٌ**[1] (یہ پرانا بہتان ہے)۔ تمام شوروہنگامے کو بالائے طاق رکھ کر حضرت عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کا جواب اس طرح دیا ہے ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہ خوش گیر و برو
ترا سلامت بادا مرا نگو ساری

(تم میری راہ کے ساتھی نہیں، جاؤ، اپنی راہ لو، تم سلامت رہو اور مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو۔)

---

[1] الاحقاف / ۱۱

اے بھائی! مرید وہی ہے جو اپنے آپ کو پیر میں گم کردے۔ جانتے ہو ارادت کیا ہے؟ **الارادة ترك الارادة**. اپنے ارادہ اپنی خواہش اور اپنی مراد کو ترک کردینا یہی ارادت ہے۔ اپنی خواہشات سے اس طرح نکل آئے جس طرح سانپ کیچلی سے باہر آجاتا ہے اور (اپنے کو پیر کے حوالہ اس طرح کردے) جس طرح مردہ غسل دینے والے کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اگر مرید کے دل میں ذرہ برابر بھی اعتراض کا پہلو باقی ہے یا چوں وچرا کی گنجائش پیدا ہوتی ہے تو ایسا مرید خود پرست ہے۔ پیر پرست نہیں اور نہ وہ اپنے پیر کا مرید ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ مرید کو پیر پرست ہونا چاہیئے تاکہ وہ خدا پرست ہو جائے۔ **وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ**[1] (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ یہی تو ہے۔)

اے بھائی! پیغمبروں کی مثال طبیبوں کے جیسی ہے، عوام کی مثال بیماروں کے جیسی ہے اور قران کو دواؤں کا خزانہ سمجھو اور پڑھو۔ **وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَاءٌ.**[2] (اور ہم قران میں اتارتے ہیں وہ چیز جو شفا ہے)۔ مرض کے مطابق دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ہر مرض کے لئے الگ الگ معجون تیار کیا جاتا ہے یہاں تک کہ علاج کے ذریعہ مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔ ہلاکت سے نجات مل جاتی ہے اور دین اپنا جمال جہاں آرا دکھاتا ہے۔ اس جماعت کے لوگ جو پیغمبروں کے وارث ہیں ان کے لئے فرمان ہے: **کلموا الناس علی قدر عقولهم** (لوگوں کی عقل کے مطابق گفتگو کیجئے۔ اس لئے یہ حضرات لوگوں کی عقل کے مطابق گفتگو فرماتے ہیں اور ہر شخص کی بیماری کے مناسب علاج کرتے ہیں۔ دیکھو بھائی! یہ حضرات

---

[1] النساء/۸۰ [2] بنی اسرائیل/۸۲

جو بھی تصرف کریں اس پر اس طرح اعتقاد رکھو کہ ہذا کوحی منزل گویا یہ وحی ہے۔ اگر تمہارے اندر ذرہ برابر بھی چوں وچرا کی گنجائش پیدا ہوئی تو سمجھ لو کہ تم منکر ہو، مرید نہیں۔ ایک مرید نے اپنے پیر کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے آج کی رات خواب دیکھا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ فرمارہے ہیں اور میں کہہ رہا ہوں کہ ایسا کیوں؟ پیر نے مرید کا یہ خواب سنکر منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ عالم بیداری میں تمہارے اندر چوں وچرا پیدا ہوا ہوگا۔ اسی لئے خواب بھی ویسا ہی دیکھا اور خواب میں بھی "ایسا کیوں" تمہارے اندر پیدا ہوا، اسی معنی میں یہ شعر ہے ؎

مہر نادیدہ ماہ کے شود او
بندہ نابودہ شاہ کے شود او

(سورج کو دیکھے بغیر وہ چاند کیسے بن سکتا ہے اور غلامی کی منزل سے گذرے بغیر کوئی بادشاہت کے تخت پر کیسے جلوہ افروز ہو سکتا ہے؟)

اگر پیر کہے کہ اس وقت رات ہے اور حال یہ ہو کہ آفتاب تمہاری نگاہوں کے سامنے چمک رہا ہو تو اس وقت سمجھ جاؤ کہ میں غلطی پر ہوں اور میری نگاہ دھوکہ کھا رہی ہے اور پیر کا رات کہنا ہی حق ہے۔ جانتے ہو ارادت اور مریدی کوئی آسان کام نہیں۔ **خدا تک پہنچنے کے بہت سارے راستے ہیں لیکن یہ راہ تمام راستوں میں سب سے انوکھی اور پیاری راہ ہے۔**

فائدہ — ۱۲

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ یہ دنیا مکر و فریب سے بھری ہوئی اور بے وفا ہے۔ یہ ایک رنگ میں نہیں رہتی۔ ہر وقت چولے بدلتی رہتی ہے۔ یہ بظاہر شہد معلوم ہوتی ہے مگر زہر آلود ہے۔ اگر کسی کو صبح میں نوازتی ہے تو رات میں اسے چھوڑ دیتی ہے۔ اگر صبح کے وقت عزت بخشتی ہے تو شام ہوتے ہوتے پاؤں سے روند دیتی ہے۔ اس کے جام میں خس و خاشاک ہوتا ہے اور اس کے پیالہ پر مکھی بھنبھناتی رہتی ہے۔ اسی مقام پر کسی نے کہا ہے

از جام او مچش کہ دراں جام زہر ہاست
گلبرگ او مبوی کہ دراں زیر خارہا ست

(اس کے جام کو منہ نہ لگاؤ اس لئے کہ اس میں سراسر زہر ہے اور اس کے پھول پتیوں کو نہ سونگھو اس لئے کہ ان پتیوں کے نیچے کانٹے چھپے ہوئے ہیں۔)

یہ بوڑھی دلہن (دنیا) بہت سے خونخوار بادشاہوں کو موت کے گھاٹ اتارنا اور اپنے عاشقوں کو پامال کرنا نہیں بھولتی۔ اگر کسی کو کچھ دیتی ہے تو پھر واپس بھی لے لیتی ہے۔ الدنیا ساحرۃ. یہ دنیا جادوگرنی ہے۔ اس کا جادو اس درجہ ہے کہ اس کی آرائش و زیبائش خواب کی طرح ہے؛ اس کا کھانا اور پہننا بھی خیالی ہے اور اس کی تمام لذت و شہوت احتلام سے زیادہ نہیں۔ پھر بھی لوگ اس کے پیچھے دیوانے ہیں اور اس کے لئے پریشان و سرگرداں رہتے ہیں۔

یہاں ماتم کے بغیر شادی، غم کے بغیر خوشی، موت کے بغیر زندگی، مرض کے بغیر صحت، فنا کے بغیر بقاء، درد کے بغیر مراد، سختی کے بغیر دولت مندی، بلا کے بغیر لقمہ کا حصول محال ہے۔ اس مشاہدہ کے بعد بھی لوگ فتنہ اور پریشانی کی پروا کئے بغیر اس کے پیچھے دوڑے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی جان پر رحمتوں کا نزول فرمائے جس نے یہ کہا ہے ؎

حال دنیا را پر سیدم من از فرزانۂ
گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانۂ

باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہ نسبت
گفت یا غو لیست یادیویست یا دیوانۂ

(میں نے ایک عقلمند سے دنیا کی حقیقت دریافت کی۔ اس نے کہا کہ دنیا خواب کی باتیں ہیں یا ہوا کا جھونکا ہے یا کوئی فرضی کہانی ہے۔ پھر میں نے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو اس دنیا پر عاشق ہے تو اس نے کہا کہ ایسا شخص بھوت ہے دیو ہے یا پاگل ہے۔)

اے بھائی! بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دنیا میں خوشی کا کوئی سامان ایسا نہیں جس کے اندر غم کی کیفیت پوشیدہ نہ ہو اس لئے کہ ایسی مسرت جس میں غم نہ ہو، ایسی خوشی جس میں ماتم نہ ہو پیدا ہی نہیں کی گئی۔ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جو بدحال تھی، اس کا چہرہ بھی سیاہ تھا اور دیکھنے میں بھی مکروہ لگ رہی تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام دنیا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: یہ تو بتاؤ کہ اب تک تو نے کتنوں کو شوہر بنایا؟ اس نے جواب دیا: بیشمار! جن کی نہ حد بتائی

جاسکتی اور نہ اندازہ لگایا جاسکتا۔ حضرت عیسیٰؑ نے دریافت کیا کہ ان شوہروں میں سے کتنوں نے تجھے طلاق دی۔ اس نے جواب دیا کہ ایک نے بھی طلاق نہیں دی بلکہ میں نے ہی ان سب کو موت کے گھاٹ اتارا۔ وہ سب ختم ہوتے گئے اور میں اپنی جگہ قائم ہوں۔

اے بھائی! اگر اس دنیا کی کچھ قدرو قیمت ہوتی، اگر اس کے اندر حقیقی حسن ہوتا اور یہ دنیا وفاداری کی صفت سے متصف ہوتی تو اہل بصیرت اور ارباب علم و دانش اسے نظر انداز نہیں کرتے۔ نہ اسے کوئی چھوڑتے اور نہ ہم تک پہنچتی۔ انبیائے کرام اور اولیائے عظام جو تمام مخلوق میں باکمال ہوئے وہ اسے تین طلاق نہیں دیتے۔

اے بھائی! یہ دنیا بلاؤں کا دریا ہے اور ایسا دریا ہے جس میں خون ہی خون ہے۔ ایسی معشوقہ ہے جو فتنہ انگیز ہے۔ ایسی محبوبہ ہے جو بے سروسامان ہے ، اس کی خوشی بھی تعجب خیز ہے اور اس کی ہلاکت بھی حیرت انگیز ہے۔ یہ اپنی فتنہ سامانی چھپا کر رکھتی ہے۔ یہ ایسی حسین و رعنا ہے جو اپنے چہرہ پر نقاب رکھتی ہے۔ چال بھی مستانہ ہے اور دل میں محبت کا نام و نشان نہیں۔ وہ اپنے آپ سے سب کو فریب میں رکھ کر محروم رکھتی ہے۔ اگر صبح میں کچھ دیتی ہے تو رات میں واپس لے لیتی ہے۔ اگر صبح میں عزت بخشتی ہے تو شام میں ذلیل و رسوا کر دیتی ہے۔ یہ بوڑھی دلہن بہت سارے جوانوں اور بادشاہوں کو ہلاک کرنا اور بہت سارے عاشقوں کو پامال کرنا خوب جانتی ہے۔ اس کے باوجود لوگ اس کے مکر و فریب کے شکار ہیں۔ اس کے اندر سراسر عیب ہی عیب ہے۔ صرف ایک ہی اچھائی ہے کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے۔ اس میں بیج ڈال کر آخرت میں فصل حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس دنیا کا سب سے معمولی عیب یہ ہے کہ یہ ہر روز بے وفا شوہر کی طرح دوسروں پر عشق کی پینگیں بڑھاتی ہے اور فسق و فجور میں آلودہ زانی عورت کی طرح ہر وقت لوگوں کو اپنے گرد جمع رکھتی ہے۔ اگر کسی کو کچھ دیتی ہے تو پھر واپس لے لیتی ہے اور اپنی بخشی ہوئی چیزوں کو لوٹا لیتی ہے۔ شوخ چشم ہے، اس کو فحاشی پر ذرا شرم نہیں آتی۔ بے وقوف معشوقہ کی طرح ہوتی ہے جو اچھائی اور برائی میں فرق نہیں کر سکتی۔ اس کے عیوب اور برائیوں کی کوئی حد نہیں۔ اس کی قباحتیں اور فضیحتیں بے شمار ہیں۔ ان تمام عیوب کے باوجود سارے لوگ اس کے پیچھے دیوانے ہو رہے ہیں اور اس کی ہوس کے شکار ہیں۔ جب یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی تو اے بھائی! تمہیں جاننا چاہیئے کہ مومن ہو یا کافر، مخلص ہو یا منافق سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا بری شئے ہے۔ فتنوں اور بلاؤں کی آماجگاہ ہے۔ فرعون اور نمرود نے اسی دنیا میں مبتلا ہو کر خدائی کا دعویٰ کر دیا اور بلعم باعور اور برصیص جیسے زاہد و عابد اسی دنیا میں پڑ کر تباہ و برباد ہو گئے۔ اولادِ آدم کی خرابیوں کا سبب بھی یہی دنیا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ دنیا ایک دانگ [۱] ہے۔ جس میں نصف دانگ قارون کے ساتھ دفن ہو گیا اور نصف دانگ سب لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ اب اسی سے سمجھ جایئے کہ ایک آدمی کے حصہ میں کیا پڑے گا۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ دنیا آدم کا پائخانہ ہے۔ **الدنیا کنیف ادم**. لہذا اے بھائی! پائخانہ کوئی ایسی جگہ تو نہیں ہوتی جہاں سے نعمتوں کا حصول ہو، جہاں لذت ملے اور جہاں راحت و ذوق کا انتظام ہو۔ یہ اس بات کے طرف اشارہ ہے کہ مومن دنیا میں اس طرح رہے جس طرح پائخانہ

---

[۱] دانگ۔ چاندی کا سکہ جس کا وزن چھ رتی ہوتا تھا۔

میں رہتا ہے یعنی پائخانہ جانا بھی ضروری ہے اور وہاں جتنی دیر رہنا ہے اتنی دیر نفرت و کراہیت کے ساتھ رہنا ہے، خوشی اور رغبت کے ساتھ نہیں رہنا ہے۔ یہی حال دنیا میں قیام کے وقت ہونا چاہیئے۔ اس دنیا سے ایک شخص کے حصہ میں کیا آئے گا تم خود سمجھ لو۔ لوگ اس دنیا کو لینے کی فکر میں دین کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ دین و دنیا ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

اے بھائی! قیامت کے دن بہشت میں دیدار خداوندی ہو گا۔ اگر یہ وعدہ نہیں ہوتا تو اس جماعت (صوفیا) کی زبان مبارک پر بہشت کا نام ہرگز نہ آتا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر سلطان العارفین (حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ العزیز) کی زبان مبارک پر دنیا کا نام آجاتا تو وضو کرتے اور اگر بہشت کا تذکرہ کر دیتے تو اس وقت غسل فرماتے۔ جب لوگوں نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ دنیا محدث ہے اور اس کا ذکر ساقط وضو ہے، لہذا وضو کرنا چاہیئے۔ اور بہشت خواہشات کی تکمیل کی جگہ ہے اور اس کا تذکرہ جنابت میں داخل ہے۔ لہذا غسل کرنا چاہیئے۔ یہ سب حال کی باتیں ہیں اور جو مردان خدا ہوتے ہیں ان کے احوال ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مخنثوں کو یہ باتیں کہاں حاصل — فضول باتوں کی یہاں گنجائش نہیں۔ تلوار چلانے والے اور اس کے وار کو برداشت کرنے والے دوسرے لوگ ہوتے ہیں، پیالہ چاٹنے والے اور ثرید[1] کھانے والے دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ بادشاہ اور فقراء دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ دیکھو مردان راہ اور عاشقان الٰہی کو اپنے عقل کے ترازو میں تولنے کی کوشش نہ کرو۔ اس لئے کہ یہ حضرات اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہیں

---

[1] ثرید ایک عربی کھانا ہے جو آٹا اور گوشت کو ایک ساتھ ملا کر پکایا جاتا ہے (مترجم)

کہ یہ عقل کے ترازو پر تولے جائیں۔ جب عشق کا آفتاب طلوع ہو جاتا ہے تو عقل کے ستارہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں ہم لوگوں کو ایمان لانے اور تصدیق کرنے کے سوا اور کیا کرنا ہے۔ یہ شعر اسی حال کے مطابق ہے ؎

طعمۂ کاں پاکبازاں را دہند
ہر گز آں کے نو نیازاں را دہند

(پاکبازوں کی جو خوراک ہے وہ مبتدیوں کو نہیں دی جاتی۔)

اَے بھائی! یہی فقراء حقیقی بادشاہ ہیں، ان کا ملک اور ان کی بادشاہت نہ اس دنیا میں سما سکتی ہے اور نہ آخرت میں۔ اگر کوئی پوچھے کہ پھر کہاں سما سکتی ہے تو جواب دینا کہ اس صحرا میں جس کو فضائے ربوبیت کہتے ہیں۔ اسی مقام کی یہ بات ہے ؎

ما را بجز ایں جہاں جہانے دیگر است
جز دوزخ و فردوس مکانے دیگر است

(ہمارے لئے اس جہاں کے علاوہ ایک دوسرا جہاں ہے اور وہ بہشت و دوزخ کے علاوہ ایک مکان ہے۔)

ان کے ملک اور بادشاہت کا یہ مختصر تذکرہ میں نے کیا ورنہ ان کی بادشاہت تو ایسی ہوتی ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر ان کا یہ حال کہ درویشی و مسکینی کا نقاب اپنے اوپر ڈالے رہتے ہیں تا کہ ان کے ملک اور ان کی بادشاہت پر کسی کی نظر نہ پڑے اور کسی کی نظر نہ لگے اس لئے کہ **العین حق ای ثبت اثرہ**۔ یعنی نظر کا لگنا صحیح و درست ہے۔ یہ حضرات درویش و مسکین جیسا نام اپنے لئے رکھ لیتے ہیں تا کہ لوگوں سے حجاب میں رہیں اور یہ نام ایسا ہے جس کو سب لوگ مکروہ سمجھتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں ؎

خلق آفت تست زود بگریز
وزسود و زیاں شاں پرہیز

(خلق تیرے لئے بلاو مصیبت ہے۔ جہاں تک جلد ہو سکے اس سے الگ ہو جاؤ اور اس کے نفع و نقصان سے اپنے کو بچالو۔)

اے بھائی! یہ فقراء جس رات فاقہ سے دوچار ہوتے ہیں وہ رات ان کے لئے معراج کی رات ہوتی ہے۔ درویشی کی انتہا فاقہ اور بھوک ہے۔ کوئی بھی شکم سیر دین کی راہ طے نہیں کر سکا ہے۔ جب درویش کے پاس کچھ ہوتا ہے تو وہ کھا لیتے ہیں، کسی سے مانگتے نہیں اور اگر مانگ لیں تو پھر فقیری کیا ہوئی۔ اگر فرعون کبھی بھوک کی تکلیف اٹھاتا تو خدائی کا دعویٰ نہیں کرتا۔ یہ آفت شکم سیری ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی شکم سیر نماز میں ہوتا ہے تو اس وقت شیطان اس کے پہلو میں ہوتا ہے اور اگر کوئی بھوکا حالت بھوک میں سو جاتا ہے تو شیطان اس سے فرار اختیار کرتا ہے۔ اسلام و ایمان کے بہتر فرقے اور کفر کی سات سو جماعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ بھوک کی صفت قابل تحسین ہے اور پیٹ بھر کر کھانا عیب میں داخل ہے۔ شہوت ایندھن کی طرح ہے اور بھوک آگ کے مثل ہے۔ شہوت کو بھوک کی آگ جلا کر ختم کر دیتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بھوک اس ابر کی طرح ہے جس سے حکمت کی بارش ہوتی ہے اور شکم سیری وہ آفت و بلا ہے جو کفر و معصیت کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ ایک راز کی بات ہے جو ان اشعار میں کہی گئی ہے ؎

نفس قانع گر گدائی می کند ۔۔۔ درحقیقت بادشاہی می کند
دوست راز آں گرسنہ دارد مدام ۔۔۔ تاز جان خویش سیر آید تمام

(قناعت کرنے والا نفس اگر فقیری میں بھی ہے تو درحقیقت وہی

بادشاہ ہے اس لئے وہ اپنے دوستوں کو بھوکا رکھتا ہے تا کہ وہ اپنی جان سے مکمل آسودگی بخش دے۔)

اے بھائی! جانتے ہو یہ درویشی اور مسکینی کیا ہے؟ یہ دنیا کی بلاؤں اور دنیا والوں کے فتنوں سے محفوظ و مامون رکھنے کا مکمل ذریعہ ہے اور فقیری کے معاملات میں سب سے مشکل اور اہم معاملہ یہ ہے کہ فاقہ سے دوچار ہونا پڑے۔ جس رات فاقہ ہوتا ہے وہ رات ان کے لئے معراج کی رات ہوتی ہے۔

اے بھائی! شب معراج میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں ملک و ملکوت سب کچھ پیش کر دیا گیا مگر حضور نے گوشہ چشم سے بھی ان چیزوں کی طرف نگاہ نہیں کی اور فرمایا: **الفقر فخری**۔ (فقر میرے لئے باعث فخر ہے۔) کہا جاتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملایک بنایا گیا اور آٹھوں بہشت ان کے حوالہ کردی گئیں تو اچانک ان کی نظر فقر اور فاقہ کے اسرار پر پڑی۔ اسی وقت آٹھوں بہشت کو ایک دانہ گندم کے عوض بیچ دیا، فقر کا لباس زیب تن کر لیا، بوستان بہشت سے نکل کر خارستان دنیا کا سفر اختیار کیا۔ بظاہر بہشت کی سلطنت کو ایک دانہ گندم کے عوض فروخت کرنے میں نقصان ہوا، نہ کہ فائدہ۔ اسی معنی میں کسی نے کہا ہے ؎

جان آدم چوں بسر فقر سوخت
ہشت جنت را بیک گندم فروخت

(آدم کی جان نے جب فقر کے راز کو سمجھا تو آٹھوں جنت کو ایک دانہ گندم کے عوض فروخت کر دیا۔)

اے بھائی! فرعون و نمرود کو جو کچھ ملا وہ تمہیں نہیں ملا۔ کیا تم اس لائق نہیں تھے، اس لئے نہیں ملا؟ جی نہیں! بلکہ اس کی وجہ یہ

ہے کہ وہ تمہیں محفوظ رکھنا چاہتا ہے تاکہ تم بھی ان لوگوں کی طرح اس دنیا میں ملوث نہ ہو جاؤ۔ دنیا کی بلاؤں اور فتنوں سے اسی وقت نجات مل سکتی ہے جب قناعت کی صفت سے متصف ہو۔ ایسی صورت میں اپنے معاملات میں فقر و فاقہ کو اختیار کرو اور اس پر قائم رہو تاکہ صاحبان فقر و فاقہ کی دولت و نعمت سے کل تم محروم نہ ہو جاؤ۔ جانتے ہو بھائی کل قیامت کے دن صاحبان فقر و فاقہ کو جو دولت و نعمت میسر آئے گی اس کو جب دنیا کے دولت مند دیکھیں گے تو اس کی آرزو کریں گے اور یہی کہیں گے کہ کاش میری زندگی دنیا میں فقیری میں گذرتی! یہی راز ہے ؎

نفس قانع گر گدائی می کند
در حقیقت بادشاہی می کند

(قناعت کرنے والا نفس اگر فقیری میں بھی ہے تو در حقیقت بادشاہت کر رہا ہے۔)

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ زہد الگ چیز ہے، عبادت الگ چیز ہے اور فقیری الگ ہی چیز ہے۔ **اذاتم الفقر فهو الله**۔ جب فقر مکمل ہوا پھر اللہ ہی اللہ ہے۔ زاہدوں اور عابدوں کے پاس کیا چکر لگا رہے ہو۔ سونا خریدنا ہے تو یہ صراف کی دکان میں ملے گا نہ کہ بنیا اور سبزی فروش کی دکان میں ؎

گرد ہر شہر ہر زہ چوں گردی
دل دراں رہ طلب کہ گم کردی

(تو ہر شہر کا چکر کیوں لگا رہا ہے؟ دل کو وہیں تلاش کر جہاں گم کیا ہے۔)

اے بھائی! تم جس طرف کے لئے نکلے اس طرف جو

چیزیں تھیں وہ تمہیں پیش کی گئیں۔ معلوم نہیں کہ آپ برادر اس متاع کی طلب میں نکلے تھے (یعنی زہد و عبادت کی طلب تھی) یا مولیٰ کی طلب میں نکلے تھے۔ اگر زہد و عبادت مقصود تھا تو وہ تمہیں حاصل ہو گیا، اپنے مقصود کو پہنچ گئے، خوشیاں مناؤ، شیخی کرو، مریدی کرو، خانقاہ سجاؤ، جماعت خانہ آراستہ کرو، دعوت اور اجتماع کا اہتمام کرو اور اس میں ہر روز اضافہ در اضافہ کرتے جاؤ۔ لیکن اگر مولیٰ کی طلب میں نکلے تھے تو طالب مولیٰ کے لئے یہ سب کچھ جس کا اوپر تذکرہ ہوا اپنے احوال کے لحاظ سے اس راہ کے بت و زنار ہیں۔ کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ الا شتغال بالعلوم الشریعة والصلوة النوافل و تلاوة القران امور حسنة ولکن شان الطالب شان اخر۔(علوم شریعت میں مشغول ہونا، نوافل نمازوں کا ادا کرنا، قران کی تلاوت یہ سب اچھے کام ہیں لیکن جو مولیٰ کے طالب ہیں ان کی شان ہی عجیب ہوتی ہے۔) اسی بات کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا گیا ہے ؎

اے دریغار وبہی شد شیر تو — تشنہ می میری و دریا زیر تو
تشنہ از دریا جدائی می کنی — برسر گنجے گدائی می کنی
گر بکنہ خوش رہ یابی تمام — قدسیاں را فرغ خود بنی تمام

(ہائے افسوس! تیرے اندر جو شیر کی صفت تھی وہ لومڑی کی صفت سے بدل گئی۔ دریا تیرے قدموں کے نیچے ہے اور تو پیاسا جان دے رہا ہے۔ پیاسا ہوتے ہوئے بھی دریا سے جدائی اختیار کر رہا ہے۔ خزانہ پر بیٹھا ہے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔ اگر تو اپنی حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتا یعنی تو اپنی حقیقت کو پالیتا تو اس وقت فرشتوں کو اپنی شاخ سمجھتا۔)

سبحان اللہ! سبحان اللہ! جو طالب مولیٰ ہیں ان کو اگر یافت کی

خوشی حاصل نہیں ہوئی تو نایافت کی مصیبت اوراس کا غم ان کے لئے معین و مددگار ہوتا ہے۔ وہ اپنے ایک دن کی مصیبت و اندوہ سے عابدوں اور زاہدوں کی ستر اور اسی سالہ زہد و عبادت کو خرید سکتے ہیں۔ حضرت عطار پر خدا کی رحمت ہو۔ خوب کہا ہے؎

کفر کافر را و دیں دیندار را
ذرہٗ دردت دل عطار را

(کافر کو کفر مبارک ہو، دیندار کو اس کا دین مبارک ہو اور عطار کے دل کے لئے تو آپ کے عشق کا ایک ذرہ کافی ہے۔)

اے بھائی! اس زمانہ میں درویش سرخ گندھک ہوگئے ہیں جن کے بارے میں سنا جاتا ہے کہ دیکھنے میں نہیں آتے۔ یسمع و لا یری۔ زاہدوں اور عابدوں سے یہ معاملہ حل نہیں ہو سکتا۔ جو اہل ظاہر ہیں اور جو رسم و عادت کو اپنا بت بنائے ہوئے ہیں وہ منزل مقصود تک کہاں پہنچا سکتے ہیں۔ اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؎

درد عشق آمد دوائے ہر دلی حل نشد بے عشق ہرگز مشکلی
اے دریغا جان و تن در باختم قیمت جاں ذرہٗ نشنا ختم

(ہر دل کا علاج درد عشق ہے، عشق کے بغیر کوئی مشکل آسان نہیں ہوئی۔ ہائے افسوس! میں نے جسم و جان کو برباد کر دیا اور ذرہ برابر جان کی قیمت نہیں پہچانی۔)

اَے بھائی! اب کیا کرنا ہے، جہاں تک ممکن ہو سکے کام میں لگ جاؤ۔ ابھی بھی وقت باقی ہے۔ بے دولتی کے اس حجاب کو جسے نفس کہتے ہیں، ہستی اور خودی کہتے ہیں، اسے اکھاڑ پھینکنا ہے اور حکم حال کے مطابق اسے ختم کرنا فرض عین ہے۔ مسجد میں رہو یا بتخانہ میں، دستا

ر باندھو یا زنار، کرنا تو یہی ہے۔ کیا تم نے یہ مثل نہیں سنی: ان فی الخمر معنی لیس فی العنب (شراب میں جو معنویت ہے وہ انگور میں کہاں ہے)۔ ان اشعار میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؎

در بتکدہ گر خیال معشوقۂ ماست　　رفتن بطوافِ کعبہ از عقل خطاست
گر کعبہ از وٗ بوئے ندارد کنش است　　با بوئے وصال او کنش کعبۂ ماست

(اگر ہمارے معشوق کا خیال بتکدہ میں حاصل ہے تو ایسی صورت میں طواف کے لئے کعبہ جانا دانشمندی نہیں ہے۔ اگر کعبہ میں اس کی خوشبو نہیں تو ایسا کعبہ بتخانہ ہے اور جس بتخانہ میں اسکی خوشبو ملے وہی میرے لئے کعبہ ہے۔)

اس مصرعہ میں یہی بات کہی گئی ہے۔

دوست در خانہ و ماگرد جہاں گردیدیم

(دوست گھر میں موجود ہے اور ہم ساری دنیا میں اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔)

اَے بھائی! اس مٹی و پانی کے پتلے کو کیا دیکھتے ہو بلکہ ان صفات کو دیکھو جو اس آب و خاک میں رکھے ہیں۔ اگر ان کے اندر یہ (حسن حقیقی) نہ ہوتا تو پاک و طاہر فرشتوں کی اتنی بڑی جماعت اس کے آگے سجدہ ریز نہ ہوتی اور خاک کو خلافت کا درجہ نہیں ملتا۔

اس بات کو خواجہ عطار کی زبانی سنو۔ کیا خوب کہا ہے ؎

تا نیامد جانِ آدم آشکار　　رہ ندانستند سوئے کرد
رہ پدید آمد چو آدم شد پدید　　زد کلید بر دو عالم شد پدید

(جب تک آدم کی جان ظاہر نہیں ہوئی، خدا تک پہنچنے کی راہ نہیں ملی۔ جب آدم کا ظہور ہوا تو اس تک پہنچنے کی راہ بھی مل گئی اور دونوں جہاں کی کنجی بھی حاصل ہو گئی۔)

اس کاتب حروف کے پاس جو کچھ تھا وہ اس تحریر کے ذریعہ پیش کر دیا۔ وللناس فیما یعشقون مذاھب (لوگوں کے لئے ان کے عشق کے مطابق طریقے اور ضابطے ہیں۔)

اے بھائی! کیا تمہارا بھی کوئی مقصود ہے؟ لیکن دیکھو، ہوشیار رہو۔ بزرگوں نے فرما دیا ہے کہ جو تمہارا مقصود ہے وہی تمہارا معبود ہے اگرچہ زبان سے ہزاروں بار لاالہ الااللّٰہ کا ورد کرتے رہو اس سے کیا ہونے کو ہے؎

گر ہمہ عالم ثواب تو بود
تا تومی باشی عذاب تو بود

(جب تک تم اپنے آپ میں باقی ہو یعنی تمہارا وجود باقی ہے اگر سارے عالم کو تمہارے لئے ثواب بنا دیا جائے تو وہ اس وقت تک تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔)

اے بھائی! اب مطلب کی بات کر رہا ہوں۔ یہ بیچارہ جو بت پرست نفس کا گرفتار ہے، دین و دنیا دونوں جگہ نقصان ہی نقصان میں ہے۔ خسر الدنیا والاخرۃ. دنیا و آخرت میں اللہ والوں کے سوا اور کوئی دوسرا سہارا نہیں۔ میں تو دل و جان سے ان اللہ والوں کا بندہ اور غلام ہوں۔ دوسروں سے کیا مطلب۔ ان کو دور ہی سے سلام کرتا ہوں اور معذرت کے ساتھ یہی کہتا ہوں؎

منم و بادیہ حسرت و گمراہی چند
تو عناں بارکش اے خواجہ کہ ہمراہ نہ ای

(میں ہوں، حسرت و افسوس کا میدان ہے اور بہت ساری گمراہیاں ہیں۔ اے خواجہ! تو اپنی راہ لے اس لئے کہ تو میرا ہمسفر نہیں بن سکتا۔)

اللہ کا شکر واحسان ہے کہ آں برادر کو یہ دولت حاصل ہے، لیکن دیکھئے! مفلسوں اور بے نواؤں کو محروم نہ چھوڑ دیجئے بلکہ قبولیت دعاء کے وقت یاد رکھئے۔ اکیلے اکیلے کھانا جواں مردوں کا کام نہیں۔ شر الناس من یاکل وحدہ۔ واللہ اعلم۔

فائدہ — ۱۳

شرف منیری[1] جو سگ بارگاہ علماء ہے سلام تحیت ہزاروں ہزار خجلت و شرمندگی اور ہزاروں ہزار معذرت و سرافگندگی کے ساتھ صدر کی جناب میں پیش کرتا ہے۔ عرض یہ ہے کہ خاکسار سگ روسیاہ کون ہوتا ہے کہ جناب صدر اس درجہ تواضع (عاجزی) کے ساتھ خط میں اس کا تذکرہ کریں۔ لیکن ہاں! یہ اس حکایت کے مانند ہے جو لوگوں نے مشک سے کہا کہ تجھ میں ایک عیب ہے۔ اس نے پوچھا: وہ عیب کیا ہے؟ کہا: تو اپنی خوشبو ہر شخص کو پہنچاتا ہے۔ اہل اور نااہل کی تمیز نہیں کرتا۔ مشک نے کہا کہ میں یہ نہیں دیکھتا کہ یہ شخص کون ہے اور کس رتبہ کا ہے بلکہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ ورنہ یہ اہل ادبار و خذلان کون ہوتا ہے کہ جناب صدر اس کو ملک المشائخ قطب الاولیاء کے القاب سے یاد کریں اور خود کو ایک معتقد کی

---

[1] مکتوبات دو صدی کے مکتوب ۹۶ کی پوری عبارت اس فائدہ کے زیر عنوان تحریر ہے اور یہ مکتوب سلطان محمد تغلق کے داماد ملک داؤد کے نام ہے۔ میں نے اس فائدہ کا الگ سے ترجمہ نہ کر کے مکتوبات دو صدی ۳۸۶ سے حضرت والد ماجد شاہ قیم الدین احمد شرفی الفردوسی قدس سرہ کے ترجمہ کو نقل کر دیا ہے۔ (مترجم)

حیثیت سے پیش کریں۔ افسوس، صد افسوس! اس بے اقبال کا معاملہ تو یہ ہے کہ شقاوت و ادبار، خاکساری، بت پرستی و زنار داری کی لعنت سے آگے نہیں بڑھا ہے اور لوگوں کو اس بے اقبال کے متعلق اور اس مخذول کی منافقی سے دوسرا ہی گمان ہوتا ہے۔

حکایت ہے کہ ایک بزرگ ایک شخص کے جنازہ کی نماز میں شریک ہوئے۔ نماز کے بعد کسی کی زبان سے یہ سنا کہ یہ شخص اس شہر میں نیک نام تھا۔ ان بزرگ نے کہا: جب تک آدمی منافق نہیں ہوتا نیک نام نہیں ہوتا ہے اور جناب کے القاب و آداب لکھنے کی وجہ میری شہرت ہے تو شیطان عالم میں اس بے اقبال سے کہیں زیادہ مشہور ہے۔

اے صدر بزرگوار! اسلام وہ دین نہیں ہے جو ہر گندے اور ناشستہ رو کو اپنا جمال دکھلائے۔ **لایمسه الا المطهرون** (اسے طیب وطاہر لوگوں کے سوا کوئی ہاتھ نہ لگائے)۔ ایک عالم کے لئے اپنے در پر لکھ کر لگا دیا ہے: **وَمَایومن اکثر هم باللّٰه الاَّ وَهم مشر کون،** (ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان بھی نہیں رکھتے، ان کی حالت مشرکوں کی ہے) اور ایک جہاں کو اپنی توحید کی بارگاہ سے نکال دیا ہے۔ دین کا کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ لوگوں نے سمجھ لیا ہے اور شکل بنالی ہے۔ جو لوگ دین کی پناہ میں آگئے ہیں اور ہر چیز کو جیسی کہ اس کی حقیقت ہے دیکھ چکے ہیں اور کاموں کی حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں وہ التجا کرتے ہیں **اللّٰهُمَّ اَجعَلْنَا عدمَالا وجود له** (اے اللہ مجھے ایسا عدم دیجئے جس کے لئے وجود ہی نہ ہو)۔ بعض نے تو یہاں تک کیا کہ زنار باندھ لی ہے، بتکدہ میں جا بیٹھے ہیں۔ چنانچہ علم

و عقل کو کنارہ کر کے وہ سب یہ کہتے ہیں ؎

او علم نمی شنید لب بر بستم
او عقل نمی خرید دیوانہ شدم

(یہاں علمی گفتگو نہیں سنی جاتی اس لئے لب بند کر لیتے ہیں۔ یہاں عقل کی باتیں قبول نہیں ہوتی اس لئے دیوانہ ہو گیا ہوں) اور وہ جو کہا ہے : ”باخدا دیوانہ باش و باشریعت ہوشیار“ کا راز یہی ہے اور اگر آج کوئی رسم و عادت ہی کو اپنا اسلام کہتا ہے تو یہ اور بات ہے۔ اس کا جواب وہی ہے جو کہا گیا ہے : ”فردات کند خمار کا مشب مستی“ (کل موت کے دن نشہ ٹوٹے گا۔ آج کی رات مستی کر لو۔) اور موت کے در پر **فكشفنا عنك غطاء ك** (جب تیری آنکھوں سے پردہ ہٹے گا) کا مشاہدہ ہو گا تو معلوم ہو جائیگا کہ سر پر دستار تھی یا گردن میں زنار۔ اپنے پاس اخلاص تھا یا نفاق۔ ہم عبادت خانہ میں تھے یا بتکدہ میں تھے۔ اسی کو کہا ہے ؎

در کعبہ نمی دہند گر بار   در بتکدہ یار برہمن باش [1]

(اگر کعبہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ملتی ہے تو بتکدہ میں رہ کر برہمن سے دوستی کر لے۔)

---

[1] یہ شعر مکتوبات دوصدی کے مکتوب ۹۶ میں تحریر نہیں ہے بلکہ فائدہ نمبر ۱۳ میں شعر آیا ہے اور مکتوب ۹۶ میں عربی کا یہ شعر ہے۔

سَوْفَ تَرى اِذَا تَجلى الْغبارْ
أتحتك فرسٌ اَمْ حِمارْ

فائدہ — ۱۴

اے بھائی! اپنے اوراد و وظائف کی پابندی کا خاص خیال رکھو۔ کسی حال میں بھی ناغہ نہ ہونے دو اور نہ کسی طرح کی کمی ہونے پائے۔ اور دیکھو مشائخ کی تصنیفات و مکتوبات کے مطالعہ کا معمول بھی ہرگز ہرگز ترک نہ ہونے پائے۔ سنو، ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ جب ہمارے معاملات یعنی اعمال مشائخ کے جیسے نہیں تو پھر ان کے کلمات کو پڑھنے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مشائخ کے کلمات روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں۔ اگر اس کا مطالعہ کرنے والا مرد ہوگا تو شیر مرد بن جائے گا اور اگر نامرد ہوگا تو مرد ہو جائے گا۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اگر ایسا زمانہ آجائے جب بزرگان دین نایاب ہو جائیں اور ان کی صحبت میسر نہ ہو تو اس وقت ہم لوگ کیا کریں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایسے وقت میں بزرگوں کی کتابوں کا ایک جز روزانہ پڑھ لیا کرو۔

اے بھائی! سنو، زندہ وہی ہے جو ان بزرگوں کے سایۂ دولت کے نیچے زندگی گذار رہا ہے یا ان بزرگوں کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہے۔ اور جس کو ان دو میں سے کچھ بھی حاصل نہیں، وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے اور اپنے نفس کافر کا اسیر ہے۔ اسی بات کو ان اشعار میں کہا گیا ہے ؎

روز و شب جاں میکنی بے زادو برگ
زیستن می خوانی آں را تو نہ مرگ

ماندهٔ آخر اسیر ننگ و نام
وآنگہی گوئی کہ عمرم شد تمام

(تم دن رات بغیر کسی توشہ اور سازو سامان کے زندگی کا سفر طے کر رہے ہو اور اسی زندگی کو زندگی سمجھ رہے ہو حالانکہ یہ زندگی نہیں بلکہ موت ہے۔ تم ننگ ونام کی ہوس کے شکار ہوگئے ہو اور اس حال میں اپنی زندگی کی تکمیل کا رونا رو رہے ہو۔)

جو تحریر آں برادر کے پاس پہنچی ہے اسے حضور دل کے ساتھ مطالعہ میں رکھو۔ رسم و عادات اور قصہ کہانی کے طرح نہیں۔ تنہائی میں مطالعہ کرو تو بہتر ہے۔

ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ جب ایسا وقت آجائے کہ بزرگوں کی صحبت میسر نہ ہو تو اس وقت کیا کروں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایسے زمانہ میں بزرگوں کے کلمات و تصنیفات کا ایک جزو روزانہ پڑھ لیا کرو۔ اس لئے کہ جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو اس وقت چراغ سے روشنی کا کام لیتے ہیں ؎

از بخت بدم اگر فرو شد خورشید
از نور رخت مہا چراغے گیرم

(اگر میری بد اقبالی سے آفتاب غروب ہو گیا تو تیرے رخ انور سے چراغ کا کام لوں گا۔)

فائدہ — ۱۵

رسیدم من بدریائے کہ موجش آدمی خوار است
نہ کشتی اندر آں دریا نہ ملاحے عجب کار است

(میں ایسے دریا پر پہنچ گیا ہوں جس کی موجیں آدمی کو نگل جانے والی ہیں اور عجیب معاملہ تو یہ ہے کہ اس دریا میں نہ کوئی کشتی ہے اور نہ کسی ملاح کا پتا ہے۔)

جانتے ہو اس دریا کی کشتی اور ملاح کون ہے۔ عشق اس دریا کی کشتی ہے اور اللہ کی عنایت اس دریا کا ملاح ہے۔ اس دریا میں طرح طرح کے خطرات ہیں۔ خوفناک معاملہ ہے۔ ایسے میں کیا کرو گے؟ اس فقیر کے کلمات سامنے رکھو۔ امید ہے کہ ان کلمات کے مطالعہ سے اس دریا کے طلاطم سے جسکی موجیں آدم خور ہیں سلامتی کے ساتھ نکل جاؤ۔ اور اس دریا کو پار کرنے میں جو بھی مشکل سامنے آئے گی وہ حل ہو جائے۔ انہیں کلمات میں مشکلات کا حل تلاش کرو۔ آں برادر ان کلمات کے معانی سے واقف ہو چکے ہیں۔ ان کو اشاروں اور قوانین سے واقفیت حاصل ہو چکی ہے اس لئے مطالعہ کے وقت یہ تصور سامنے رہے کہ کاتب حروف کی زبان سے سن رہے ہو اس لئے کہ القلم احد اللسانین آیا ہے۔ اس دعا گو کے جو کلمات آں عزیز تک پہنچیں ان کو اس دعا گو کی زبان سمجھو اور جو زبان سے نکلے اس کو سمجھو کہ اس دعاء گو کے دل کی آواز ہے، زبان کے ذریعہ جس

بات کا مطالبہ ہو رہا ہے دل اسی بات کا مطالبہ کر رہا ہے۔ **من یطع اللسان فقد اطاع القلب ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ.** (جس نے زبان کی اطاعت کی اس نے قلب کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)۔ جب غور و فکر کرو گے تو دیکھو گے کہ ایک ہی ایک ہے۔ ایسے میں مکمل اطمینان رکھو' قسمت بلند ہے، آں عزیز نے ہمت کر کے خود کو دریا میں ڈال دیا ہے۔ خدا کامیاب کرے' اس دریا کے موتی بہت عزیز ہیں۔ اس کے جواہرات نایاب ہیں اور جو اس میں ڈوب کر موتی نکالتے ہیں وہ عاشق، صادق اور جانباز ہوتے ہیں۔ یہ کام ہر مکروہ، کمینے' مخنث اور شکم پرست کا نہیں ہے۔ اس کی جان پر رحمت ہو جس نے بھی کہا ہے، خوب کہا ہے ؎

روبازی کن کہ عاشقی کار تو نیست
(جاؤ کھیلو کودو' عاشقی تمہارا کام نہیں۔)

فائدہ — ۱۶

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ خواجہ یحییٰ معاذ رازیؒ نے ایک دفعہ خواجہ سلطان العارفین قدس اللہ سرہ العزیز کو لکھا کہ ہمارے یہاں ایک شخص ایسا ہے جس نے ایک گھونٹ پیا ہے اور مست ہو گیا۔ خواجہ سلطان العارفین قدس سرہ' نے جواباً لکھا کہ یہاں ایک شخص ایسا ہے جو دریا کا دریا گھونٹ گیا اور **ھل من مزید** کا نعرہ مارتا ہے یعنی اور ملے اور ملے کی صدا لگاتا ہے اور نالہ و فریاد کرتا ہے۔ اس بات کی

طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے ؎

قطرۂ کو غرقۂ دریا بود
ہر دو کو نش جز خدا سودا بود

(وہ قطرہ جو دریا میں غرق ہو گیا وہ خدا کے سوا دونوں جہاں کی طلب کو دیوانگی اور پاگل پن سمجھتا ہے۔)

اے بھائی! محبت آگ ہے اور محبوب کا دل چھپا ہوا آتش کدہ۔ اگر ایک آہ باہر کھینچ لیں تو ایک جہاں جل کر خاک تر ہو جائے اور اگر ایک آہ اندر کھینچ لیں تو خود کو جلا کر خاک کر دیں۔ جو آفتاب کا عاشق ہوتا ہے اس کو راحت و آرام کہاں میسر ہو گا۔ لائق تعریف ہے وہ ہمت جو اس آب و گل کو عنایت کی گئی۔

اے بھائی! جو صاحب ہمت ہوتے ہیں، جن کے اندر حق کی طلب ہوتی ہے، وہ کون و مکان میں گرفتار نہیں ہوتے ۔ ان کے سامنے دیکھنے اور سننے کی کوئی چیز کہاں ہوتی ہے۔ کسی صاحب ہمت نے خوب کہا ہے ؎

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد
ہمچو خورشید از بلندی فرد شد

ہر کہ از ہمت دریں راہ آمدست
گر گدائی می کند شاہ آمدست ۔

(جو ہمت والے ہیں وہی مرد ہیں اور وہی بلندی میں سورج کی طرح تنہا ہوتے ہیں۔ جس نے ہمت کے ساتھ اس راہ میں قدم رکھا وہ اگر فقیر بے نوا بھی ہے، تو سمجھو کہ وہی بادشاہ ہے۔)

اپنی ہمت کو کون و مکان سے آگے رکھو۔ جو بھی اس سے

متعلق ہے اور جس پر بھی حدوث کی مہر لگ گئی ہے اس کو اپنی راہ کا بت وزنار سمجھو، اور وہی کہو جو کسی عارف نے کہا ہے ؎

بی وصال تو جان چہ کار آید
بی جمالت جہاں چہ کار آید

(تیرے وصال کے بغیر یہ جان کس کام کی ہے اور اگر تیرا جمال نہ ہو تو دنیا کا کیا حاصل۔)

راہ سلوک کو صحیح طور پر طے کرنے والے یعنی حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ یوں مناجات کرتے۔

"اے بار خدایا! اگر تو نے مجھے بہشت عنایت کی اور یہ کہہ دیا کہ میں مالک دنیار سے خوش نہیں ہوں تو پھر مجھے ایسی بہشت کی ضرورت نہیں ۔ مجھے خاک کردے اور یہ بہشت، بہشت کے طلبگاروں کو دیدے۔"

مست الست یزدانی عین القفات ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں: یہاں بھی کھانا پینا اور وہاں بھی کھانا پینا۔ اس خورد و نوش میں ہم تو جانوروں کے جیسے ہوگئے۔ ہم میں اور دوسرے جانوروں میں کیا فرق رہا؟ سبحان اللہ! کیا مردان خدا کی ہمت ہوتی تھی۔

اس بات کو اس شعر میں سنو ؎

سگ دوں ہمت استخواں جوید   پنجۂ شیر مغز جاں جوید

(پست ہمت کتا ہڈی کے پیچھے دوڑتا ہے اور شیر کا پنجہ مغز جاں کی تلاش میں رہتا ہے۔) کیا تمہاری نظر ہمت اس عبارت پر نہیں گئی کہ اعدت العبادی الصالحین مالاعین رایت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر (میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے کچھ نعمتیں ایسی تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی،

کان نے اس کے بارے میں سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال ہی گذرا ہے)۔ اے بے ہمت! کیا یہ روٹی اور پانی کی جگہ ہے؟ ایک صاحب عزت نے کہا ہے: نقطۂ نبوت کے سینکڑوں دانے لوگوں کے پاس بھیجے گئے لیکن جو بے گانے تھے وہ بیگانے ہی رہے، ذرہ برابر بھی آشنائی پیدا نہ ہوئی۔ اے کاش! اگر وہ اپنے عشق کا ایک ذرہ ہی بھیج دیتا تو کوئی بھی بے گانہ نہیں رہتا۔ سب آشنا ہو جاتے۔

اے بھائی! عشق کی سواری ایک ایسی سواری ہے جو ایک ہی جست میں دونوں جہاں سے پار کر دیتی ہے اور لامکان میں چھلاوے لگاتی ہے۔

رباعی ؎

در عالم عشق اگر بکار آئی تو
در دفتر عشق در شمار آئی تو

جبرئیل امیں رکابدار تو بود
بر مرکب عشق اگر سوار آئی تو

(اگر تو عالم عشق میں کام آگیا تو عشق کے دفتر میں تیرا نام آگیا۔ اگر تو عشق کو اپنی سواری بنالے تو جبرئیل امیں تمہاری رکاب میں چلیں)۔

طالب کو چاہیئے کہ وہ محنت کش ہو تا کہ اس کا جو مطلوب ہے یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ اس کی بارگاہ میں حاضری کا شرف نصیب ہو۔ لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ اس کی راہ میں دار پر چڑھنا پڑتا ہے۔ یہ دولت اتنی آسانی سے حاصل ہو جائے یہ مشکل ہے۔ چنانچہ فرمایا ؎

از خارچہ باک آید آں را کہ اورا
معشوق دلش میان گلزار بود

(اس کو نوک خار سے کیا خوف ہو گا جس کا معشوق باغ میں

پھولوں کے درمیان ہو)۔ مطلوب طالب سے دور نہیں ہوتا۔ وھو معکم این ما کنتم[1] (اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ تم جہاں کہیں ہو)۔ ہاں، طالب مطلوب سے دور رہتا ہے اور اپنی خودی کی وجہ سے حجاب میں ہوتا ہے۔ اگر اپنی خودی اور ہستی کے خیال سے نکل آئے تو پھر مطلوبؔ سامنے ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا؎

معشوقہ عیاں بود نمی دانستم
با من بمیان بود نمی دانستم

گفتم بطلب مگر بجائے برسم
خود تفرقہ آں بود نمی دانستم

(معشوق سامنے تھا اور مجھے خبر نہ ہوئی، وہ مرے درمیان تھا اور میں ناواقف رہا۔ میں نے کہا کہ طلب کے ذریعہ منزل تک پہنچ جاؤں گا۔ میرا یہ سوچنا ہی تفرقہ تھا جسکو میں نے نہیں سمجھا۔)

اے بھائی! مشتاقوں کے سرداروں کے دل میں شوق کی کیفیت اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انت انا ولاغیری (تو اور میں ایک ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں)۔ اگر محمود کی مٹی میں عشق کی آبیاری اور محبت کی تخم ریزی کرنے سے سبزہ کی طرح ایاز پیدا ہو جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے[2]۔ المحب محو فی حکم المحبوب۔ محبّ محبوب کے حکم میں گم رہتا ہے اور جب تک زندہ رہتا ہے اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب

---

[1] الحدید/۴

[2] اور دوسرے نسخوں میں یہ مضمون نثر کی بجائے نظم میں یوں ہے۔

عجب مدار زباران عشق و تخم محبت
چوں سبزہ از گل محمود اگر ایاز بر آید

محبوب کے جمال کو سونگھتا ہے تو خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور جب اس کے جلال کو غور کرتا ہے تو نالہ ور فریاد کرنے لگتا ہے ؎

مراگوی کہ سعدی چرا پریشانی
خیال روئے تو ہر دم ہمی کند تبرم

(مجھ سے یہ نہ کہو کہ اے سعدی تو پریشان کیوں ہے۔ ارے بھائی! مجھے تو تمہارے رخ انور کے خیال نے ہر وقت پریشان کرر کھا ہے اور میرا حال برا ہوتا جارہا ہے۔)

فائدہ — ۱۷

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جہاں تک ممکن ہو کام میں لگے رہو یعنی آخرت کی کھیتی کرتے رہو۔ اپنے ہاتھ، زبان، قلم، کاغذ، روپے پیسے اور سامان سے لوگوں کے دل کو آرام اور خوشی پہنچانے میں لگے رہو اور اس کو بہت بڑا کام سمجھو۔ دنیا کی برائیاں اس کی آفت اور بلائیں اتنی زیادہ ہیں کہ اگر ان کو تحریر میں لایا جائے تو جلد کی جلد سیاہ ہو جائے اور بات ختم نہ ہو لیکن ان سب کے باوجود اس میں ایک ہنر بھی ہے اور وہ ہنر یہ ہے کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ حق سبحانہ' تعالیٰ تک پہنچنے کے کتنے راستے ہیں؟ فرمایا: موجودات میں جتنے ذرے ہیں ان میں سے ہر ذرہ خدا تک پہنچنے کی راہ ہے لیکن سب سے بہتر، سب سے مفید اور سب سے نزدیک راہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل کو خوش کیا جائے۔ اس سے نزدیک راہ اور کوئی نہیں۔ میں نے جو کچھ

پایا اسی راہ سے پایا اور اپنے مریدوں کو اس بات کی وصیت کرتا رہا۔

ایک بزرگ کے سامنے کسی نے عرض کیا کہ اس شہر کا بادشاہ رات بھر جاگتا ہے اور نفل نمازیں خوب پڑھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: بیچارہ اپنی راہ بھول گیا ہے اس لئے کہ راہِ سلوک اس کے لئے یہ ہے کہ وہ بھوکوں کو طرح طرح کے کھانے کھلائے، ننگوں کو قسم قسم کے کپڑے پہنائے۔ پریشان دلوں کو آباد کرے اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ نفل نمازیں اور شب بیداری فقیروں کا کام ہے۔ ہر آدمی کو اپنے لائق کام کرنا چاہئیے۔ رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے یہ ہے کہ کسی ایک شکستہ دل کی غم گساری کرلے' اس کے کام آجائے اور کسی کے پریشان دل کو خوش کردے اس لئے کہ کوئی بھی ٹوٹی ہوئی چیز اپنی قیمت نہیں رکھتی لیکن ٹوٹے ہوئے دل کی بہت قیمت ہوتی ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں مناجات کررہے تھے—اے بار خدایا! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ جواب ملا: انا عندالمنکسرۃ قلوبھم لا جلی (میں ان کے قریب ہوں جن کے دل میرے لئے شکستہ ہیں)۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے خدا! میرے دل سے زیادہ کسی کا دل شکستہ نہیں۔ حکم ہوا کہ پھر مجھے وہیں تلاش کرو، میں وہیں ملوں گا۔

اے بھائی! بہشت جو مخلوق ہے وہ دنیا کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتی تو پھر بہشت کا خالق دنیا کے ساتھ مل جائے یہ کیسے ممکن ہوگا؟ اسی لئے کہا گیا ہے کہ دنیا کا ترک ہی ساری عبادتوں کا راز ہے۔ ترک الدنیاراس کل عبادۃً. چوں کہ دنیا لوگوں کو خدا سے محجوب کردیتی

ہے اس لئے ایسی دنیا پر لعنت کا داغ لگادیا گیا۔ **الدنیا ملعونة وما فیھا**. (دنیااور جو کچھ دنیامیں ہے سب ملعون ہے)۔

لیکن دیکھو! ہوشیار رہنااور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا کہ سامان دنیا ضرورت کے مطابق ملعون نہیں ہے۔ اگر دنیا ضرورت سے زیادہ کسی کے پاس ہے اور وہ اس کو خیرات وحسنات میں خرچ کرتا ہے تو وہ بھی ملعون نہیں ہے ؎

نیست دنیا بد اگر کاری کنی
بہ شود گر عزم دیندار کنی

(اگر تو اس دنیا سے دین کا کام لے لے تو یہ دنیا بری نہیں بلکہ بہتر ہے۔)

ہاں! اگر کسی کو دنیا حاصل ہے اور وہ اس کو خواہشات نفس کی تکمیل اور لذت و شہوت کے لئے استعمال کرتا ہے اور اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو پھر یہی دنیا ملعون ہے ؎

گر دلت آگہہ از معنیٰ آمدہ است
کار دینت ترک دنیا آمدہ است

(اگر تیرا دل معنیٰ سے آگہی رکھتا ہے تو دنیا کو ترک کر دینا یہی تو دین کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔)

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کے دل کا اعتبار ہے، اس کے ظاہر کا کوئی اعتبار نہیں۔ **ان اللہ لا ینظر الیٰ صور کم ولا الی اعما لکم ولکن ینظر الی قلوبکم** (بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا اور نہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے)۔ اگر کسی بندہ کا ظاہر دیناوی مشاغل سے آلودہ ہے تو اس کو اتنا ضرور کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے دل کو جو منظور حق

ہے دنیا کی محبت سے خالی رکھے۔ اس لئے کہ دنیا کی محبت ہی چشم دل کے لئے حجاب ہے۔ جب دل اندھا ہوتا ہے توآخرت کے احوال اس سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے یہی پیغام دیا۔ حب الدنیاراس کل خطیئة (دنیا کی محبت کا دل میں پیدا ہونا یہی برا ہے)۔ اگر ساری دنیا کسی کے قبضہ اور ملک میں ہے لیکن اس دنیا کی محبت دل میں نہیں ہے تو پھر کوئی خوف نہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلاشرکت غیرے سارے جہاں کے بادشاہ تھے لیکن ان کا قلب مبارک اس دنیا کی محبت سے پاک تھا اور اس سلطنت وبادشاہت کے باوجود زاہدوں کے سردار تھے۔ اسی طرح اگر کسی کو دینا حاصل نہیں لیکن دنیا کی محبت اور اس کی طلب دل میں موجود ہے تو گویا وہ دنیا کے ساتھ ہے اور دنیا اس کے ساتھ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک ایسے عالم تھے جو چار سو صندوق کتابوں کا علم اپنے سینے میں رکھتے تھے۔ علمی گفتگو اور طاعت وعبادت کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں تھا۔ لیکن ان کا دل دنیا کی محبت سے آلودہ تھا۔ اور سب کچھ ہونے کے باوجود دنیا کی محبت دل میں موجود تھی۔ اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس وحی آئی کہ اس عالم وعابد سے کہہ دیجئے کہ اگرچہ وہ دن رات علم میں مشغول ہے، طاعت وعبادت میں وقت گذار رہا ہے، چار سو صندوق کا علم رکھتا ہے لیکن اس کا دل دنیا کی محبت سے آلودہ ہے تو ایسی صورت میں اس کی کوئی بات قابل قبول اور لائق اجابت نہیں۔ خوب کہا ہے جس نے بھی کہا ؎

صد جہاں علم بامعنی بہم
دوزخ آرد بار بادنیا بہم

(اگر دنیا کی محبت غالب ہے تو سینکڑوں جہاں کا علم با معنی رکھنے کے باوجود دوزخ ہی سامنے ہوگا)۔

اے بھائی! حالات بہت عجیب ہیں جن سے آج ہم لوگ گذر رہے ہیں۔ اگر کافر طبیب ہم سے کہے کہ فلاں چیز نہ کھاؤ، تمہارے لئے نقصان دہ ہے تو ہم اسی وقت چھوڑ دیں گے اور نہیں کھائیں گے۔ لیکن ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران علیہم الصلوۃ آئے اور یہی کہتے رہے کہ **حب الدنیار اس کل خطیئة**۔ دنیا کی محبت ساری غلطیوں کی جڑ ہے تو ہم میں سے کسی نے بھی دنیا سے دل نہیں موڑا اور ہم لوگ دن رات دنیا کی طلب میں لگے رہے۔ ایسی صورت میں یہی کہا جائے گا کہ کافر طبیب کی بات کو ہم نے اہمیت دی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی بات کو نظر انداز کر دیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ یہی ایمان ہے اور اسی کو مسلمان کہتے ہیں؟

ترک دنیاگیر تا دینت بود
آں بدہ ازدست تا اینت بود

(دنیا کو ترک کر دو تو پھر سب کچھ دین ہی دین ہے، وہ دے دو اور یہ لے لو۔)

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ دنیا میں یا تو عابد ہیں یا عارف۔ عابد کی نظر خاتمہ پر ہوتی ہے اور عارف کی نظر سابق پر۔ عابد مقام انتہا میں پہنچ کر کہتا ہے: **ماعبدناك حق عبادتك** (تیری عبادت کا جو حق تھا میں نے وہ عبادت نہیں کی) اور عارف یوں عرض کرتا ہے: **ماعرفناك حق معرفتك** (میں نے تیری معرفت کی حد تک عرفان حاصل نہیں کیا)۔

اے بھائی! عارف کے بدن کی غذا خدمت ہے، محبوں کے

دل کی غذا قربت ہے، مشتاقوں کے روح کی غذا مشاہدہ ہے اور عاشقوں کے سر کی غذا وصال ہے۔ جسم جب خدمت کی غذا حاصل کرتا ہے تو سورۃ المنتھی تک پہنچ جاتا ہے۔ دل کو جب قربت کی غذا ملتی ہے تو انّ ربی یطعمنی و یسقینی کے خلوت خاص میں پہنچ جاتا ہے جہاں ان کا رب انہیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔ روح جب مشاہدہ کی عزت سے سرفراز ہوتی ہے تو عرش مجید تک اس کا قدم پہنچ جاتا ہے۔ سر جب وصل کے شرف سے مشرف ہوتا ہے تو اس وقت بیخود ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت نیاز عشق یوں صدا دیتا ہے: اے جسم! خدمت میں لگ جا اور خدمت پر اپنی نظر مرکوز کردے۔ اے دل! پروانہ بن کر قربت کی شمع پر خود کو نثار کردے۔ اے روح! مشاہدہ کے سمندر میں ڈوب جا۔ اے سر! دوست میں مشغول ہو جا۔ اے جسم! جب تو نے اپنی نگاہ کو خدمت پر جمادیا تو مخلوقات کی پیشانی پر قدم رکھ دیا۔

اے دل! جب تو نے شمع قربت پر خود کو پروانہ وار نثار کردیا تو ہمت کے خیمہ کو اس مقام میں لگادے جہاں درجات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اے روح! جب تو مشاہدہ کے سمندر میں غرق ہو گئی تو اس وقت سلطانی تلاش کر۔ اے سر! جب تو دوست میں مشغول ہو گیا تو پاکی بیان کر۔ اے جسم! تجھ کو سلطانی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پاسبانی اور دربانی پر راضی نہ ہو۔ اے دل! تجھے تو انا الحق اور سبحانی کہنے کے لئے لایا گیا ہے، تو ادھر ادھر دوڑنہ لگا۔ اے روح! شمع جلال اوج پر ہے، تو پروانہ بن جا۔ اے سر! بحر شہود کی گہرائیوں میں ایک سیپ ہے، تو اس سیپ میں پہنچ کر دُر آبدار کا ہم نشیں بن جا۔

اے بھائی! جب جمال کا ظہور ہوتا ہے تو اس وقت ناز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جب جلال کا اظہار ہوتا ہے تو اس وقت التجا اور التماس عرضی اور درخواست پیش کی جاتی ہے۔ ناز و ادا، لاڈ و پیار خوشی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اور گذارش ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔ مستی و سرور سے انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس وقت ارنی انظر الیک[1] (مجھے اپنا دیدار دیکھا) کی آواز لگاتا ہے۔ اور ہلاکت کی شراب ہلاکت کی بساط پر ڈال دیتا ہے۔ خرموسیٰ صعقا[2] (موسیٰ گرے بے ہوش ہو کر) جب سرور وانبساط میں ارنی کہتا ہے تو لن ترانی (تم نہیں دیکھ سکتے) کا جواب ملتا ہے۔ اور فنا کی کیفیت میں تبت الیک[3] (میں تیری طرف رجوع لایا) کی صدا بلند کرتا ہے۔ جو عارف ہیں وہ اس کے جلال کو دیکھتے ہیں تو غم میں ڈوب جاتے ہیں اور جو اس کے محبّ ہیں وہ مشاہدۂ جمال میں خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔ عارفوں کی وہ غمناکی ہزاروں خوشی کا سبب ہوتی ہے اور محبوں کی یہ خوشی بندگی وآزادی کا سبب بنتی ہے (یعنی ماسوا سے آزاد ہو کر صرف اسی کی بندگی میں لگ جاتے ہیں)۔ جو محبّ ہیں وہ اس کے جمال کے مشاہدہ سے خوش ہوتے ہیں اور جو عارف ہیں وہ اس کے جلال کو دیکھ کر اپنی خودی کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس کے محبوں کو جو مشاہدہ جمال میں گم رہتے ہیں، خلعت اقبال سے نوازا جاتا ہے اور اس کے عارفوں کو جو مکاشفہ جلال میں محو رہتے ہیں ناز وادا کی غذا عنایت کی جاتی ہے۔ یہ قبولیت محبوں کو محرم وصال بناتی ہے اور یہ ناز وادا عارفوں کو لائق جلال کرتی ہے۔ تجلی جمال سے امکان

---

[1] الاعراف/۱۴۳ [2] الاعراف/۱۴۳ [3] الاعراف/۱۴۳

کے تالے کھل جاتے ہیں اور آواز آتی ہے: **ھلموا اسعوا**۔ آگے بڑھو، کوشش کرو۔ تجلی جلال اشکبار کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ **ختم اللہ علی قلوبھم** کی نحوست دفع ہوتی ہے اور ندا ہوتی ہے: **ایھا الذی خلق من الماء والمدار** (اے مٹی اور پانی سے بنے ہوئے آدم! ڈرو، ڈرو!)۔

اے بھائی! سلطان جمال دل کو آباد کرنے والا ہے اور سلطان جلال غیر کی محبت کو دل سے مٹانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ مکاشفۂ جلال کے وقت کہتا ہے: **انابنی السیف** اور مشاہدۂ جمال کے وقت عرضی پیش کی جاتی ہے۔ **اھد قومی** (اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے)۔ مکاشفۂ جلال کی کیفیت میں کہتا ہے۔ **بلاء من ربك** اور مشاہدۂ جمال کی حالت میں عرض کرتا ہے **لیتنی زدنی بلائ** (کاش میرے لئے اس بلا میں اضافہ ہوتا)۔ مکاشفۂ جلال کے وقت مردان راہ عورتوں کے دامن کو ہاتھ لگاتے ہیں: **کلمتی یا حمیرا** (اے حمیرا مجھ سے باتیں کرو) اور مشاہدۂ جمال کے وقت عورتیں مردانگی کے دامن کو اپنے قدموں کے نیچے لے آتی ہیں اور کہتی ہیں: **الحمد للہ**۔

عاشق کی بنیاد ہی اس بات پر ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ پہلے مہربانی کا سلوک ہوتا ہے پھر آخر میں اس سے منہ پھیر لیا جاتا ہے۔ اس کو وصال سے آشنا کرتے ہیں اور آخر میں ہجر و فراق سے گذارتے ہیں۔ جس طرح باز کو پہلے لطف و کرم کا سلوک کر کے قید کرتے ہیں اس کے بعد اس کی آنکھیں دردناک انداز میں سی دیتے ہیں اور پھر شکار کرنا سکھاتے ہیں ویسا ہی معاملہ عاشقوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ **العشق اولہ ختل و آخرہ قتل**۔ عشق وہ ہے جس کی ابتداء میں دھوکہ

وفریب ہے اور اس کی انتہا قتل پر ہے۔ یہی راز ہے جو حضرت کلیم اللہ کے شہباز وجود کو وکلم ربہ کے خوشگوار لقمہ سے شکار کرلیا گیا اور جب انہوں نے خوش ہو کر دیدار کی تمنا کی اور عرض کیا: ارني انظر اليك تو خیاط قضا نے لن ترانی (تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) کی سوئی سے ان کے تمناؤں کی مسرت بھری آنکھوں کو سی دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی ابتدا میں فریب ہے اور آخر میں قتل۔ اے کلیم! آپ کی آنکھوں کو نور تجلی سے منور کرنے کے بعد لن ترانی کی سوئی سے اس لئے مجروح کیا گیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔ اے خلیل! آپ کے صدف وجود سے ایک محبوب کے وجود کا موتی ظاہر کیا گیا اور پھر اس پر چھری چلادی گئی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔ اے مسیح! آپ تو مبشر اول اور خلاصۂ وجود ہیں اور آپ کو امتحان کی سولی پر چڑھایا گیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔ اے حبیب اکرم رسول معظم ﷺ! آپ تو مسند نبوت ورسالت کے صدر نشیں ہیں اور آپ پر مشرکین نے دشمنی سے پتھر برسائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔ اے عارفان الہ! آپ کے دل کو ایمان وایقان کے نور سے منور فرمانے کے بعد قہر کی آگ سے جلایا نہیں جاتا مگر ایسا صرف اس لئے کیا گیا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔ اے محبان خدا! آپ کی جان کو قربت کے شرف سے مشرف کرنے کے بعد انتظار کی منزل سے گذارا نہیں جاتا مگر ایسا صرف اس لئے کیا گیا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔

فائدہ — ۱۸

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ دنیا میں جو اولیا اللہ ہیں ان میں سے چار ہزار ایسے ہیں جو لوگوں سے پوشدہ ہیں۔ وہ نہ ایک دوسرے کو پہنچانتے ہیں نہ اپنے احوال کے حسن وجمال کو جانتے ہیں اور تمام احوال میں خود سے اور مخلوق سے پوشیدہ رہتے ہیں۔اس سلسلہ میں احادیث موجود ہیں۔ جو ارباب حل وعقد ہیں اور جو بارگاہ حق کے عملے ہیں ان کی تعداد تین سو ہے، ان کو اخیار کہتے ہیں۔ چالیس وہ ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں۔چار وہ ہیں جن کو اوتاد کہتے ہیں۔ تین وہ ہیں جن کو نقبا کہتے ہیں' ایک وہ ہیں جن کو قطب وغوث کہتے ہیں۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کو پہنچانتے ہیں اور ایک دوسرے کے محتاج رہتے ہیں۔ اس سے متعلق حدیث موجود ہے کہ خواجہ اویس قرنی کو دنیا میں چرواہے کی صورت میں لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رکھا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نے ان کو نہیں پہنچانا۔ قیامت کے دن میدان حشر میں جب وہ پیش کئے جائیں گے تو سات ہزار فرشتوں کو ان ہی کی شکل میں لائیں گے تاکہ سات ہزار فرشتوں کے درمیان وہ اس طرح رہیں کہ کوئی ان کو پہچان نہ سکے اور ان تک کسی کی رسائی نہ ہو۔ جس جگہ اور جس علاقہ میں ولی کی مملکت ہوتی ہے وہاں اس ولی کا درد (فیضان) موجود ہوتا ہے۔ اور یہ درد یعنی فیضان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے ان تک پہنچتا ہے۔ جیسا

کہ حضرت خواجہ اویس قرنی کے متعلق حضورؐ نے اپنے سچے صحابہؓ کرام سے فرمایا کہ قیامت کے دن جو اہل سعادت یعنی نیک بخت ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ دار السلام کا رخ کیجئے اور اویس قرنی کو حکم ہو گا کہ آج آفتاب قیامت پورے جلال پر ہے اس لئے آیئے اور حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی گنہگار امت کے لئے شفاعت کی زبان کھولئے، ان کی بخشائش اور مغفرت کے لئے سفارش کیجئے۔ میرا یہ فیصلہ ہے کہ میں قبیلہ ربیع اور مضر کی بکریوں کے بال کی تعداد میں اپنے جیب کی گنہگار امت کو آج آپ کے جلو میں جنت الفردوس بھیجوں گا۔

(دیکھا تم نے) جب تک خواجہ اویس قرنیؒ اس دنیا میں رہے اپنے کو اس طرح رکھا کہ کوئی بھی ان کو پہچان نہ سکا۔ جس قبیلہ سے ان کا تعلق تھا اس قبیلہ میں ان سے زیادہ ذلیل و خوار کوئی دوسرا نہ تھا۔ جدھر پتھروں کی بارش ہوتی، ادھر خود کو پیش کر دیتے۔ سارے لوگ ان کا مذاق اڑاتے اور ان کو ذلیل سمجھتے اور حضور محمد ﷺ نے اپنی نبوت کے سینہ میں ان کی خوش بختی اور سعادت ابدی کی تختی پر یہ عبارت ملاحظہ فرمائی: اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسُ الرَّحمٰنِ مِنْ قِبَلِ الیَمَنْ (البتہ میں پاتا ہوں رحمان کی خوشبو یمن کی طرف سے)۔

جب ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ نے خواجہ اویس قرنی سے ملاقات کی تو ان سے کہا: یا اویس حدثنی عن رسول اللہ (اے اویس مجھے رسول اللہ کی حدیث سنایئے تاکہ میں آپ کے حوالہ سے یاد کرلوں)۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی مجال نہیں اور نہ مجھے اس بات کی فرصت ہے کہ لوگ میرے پاس جمع ہوں اور مجھے محدث و مفتی سمجھیں۔ میں تو اس سے کہیں زیادہ اہم کام میں خود کو مشغول رکھتا

ہوں۔ اس لئے مجھے معاف رکھئے۔ اس طرح کے معاملات ہمارے سینہ میں محو کر دیئے گئے ہیں۔ محدثی کون کرتا ہے! یہاں تو لا اله الا اللہ کی مہر نے ہمارے دامن کو پکڑ رکھا ہے، مجھے کسی دوسرے کام کے لائق کہاں رکھا ہے جو میں کسی اور کام میں مشغول ہو جاؤں۔

مجمع السائرین میں ہے کہ اولیائے اللہ میں سے تین سو چھپن شخص ایسے ہیں جو ہمیشہ عالم سیر میں ہوتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ایک بھی اس عالم فانی سے کوچ کرتے ہیں، دوسرے شخص اس کی جگہ لے لیتے ہیں اور اس طرح تین سو چھپن (۳۵۶) میں کبھی کمی نہیں ہوتی اور یہ پوری جماعت چھ حصوں میں منقسم ہے۔ تین سو چالیس، سات، پانچ، تین اور ایک، اور یہ ایک وہ ہیں جو قطب عالم ہوتے ہیں اور جن کے وجود مبارک کی برکت سے یہ دنیا قائم ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اس عالم سے رحلت فرمالے اور کوئی دوسرا اُن کی جگہ نہ لے تو یہ دنیا تباہ و برباد ہو جائے۔ جب قطب عالم دنیا سے رحلت فرماتے ہیں تو تین والی جماعت سے ایک ان کے جانشین ہو جاتے ہیں اور پانچ والی جماعت سے ایک کو تین والی جماعت میں جگہ مل جاتی ہے۔ اور سات والی جماعت سے ایک کو پانچ والی جماعت میں لے آتے ہیں اور چالیس والی جماعت سے ایک کو سات والی جماعت میں جگہ مل جاتی ہے اور تین سو والی جماعت سے ایک کو چالیس والی جماعت میں شامل کر لیتے ہیں اور تمام لوگوں میں سے ایک کو تین سو والی جماعت میں داخل کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح یہ تین سو چھپن ایسے ہیں جن کا فیضان سارے جہاں پر محیط رہتا ہے، ان کے قدم پاک کی برکت ہر جگہ

موجود رہتی ہے اور یہ حضرات اس طرح اپنی زندگی گذارتے ہیں کہ کوئی ان کو پہچانتا نہیں۔ ظاہر میں یہ عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں مگر ان کا باطن خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ محبت، ولایت اور معانی کا تعلق تو باطن ہی سے ہے، ظاہر سے نہیں۔ اور انہیں اس درجہ کمال قدرت حاصل ہے کہ ان کے معاملات میں مٹی، پانی، آگ، ہوا، صحرا، پہاڑ کوئی رکاوٹ نہیں بنتا۔ اگر مشرق میں ہیں تو مغرب والوں کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی باتیں سن رہے ہیں۔ اگر مغرب میں ہیں تو مشرق والوں کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی باتیں سن رہے ہیں۔ خشکی، سمندر، پہاڑ اور میدان سب ان کی نظر میں برابر ہے۔ چشم زدن میں مشرق سے مغرب چلے جاتے ہیں اور مغرب سے مشرق چلے آتے ہیں۔ ایک آن میں عرش پر پہنچ جاتے ہیں اور پھر اسی وقت واپس بھی آجاتے ہیں۔ اور اس طرح کی بہت ساری مثالیں ہیں۔ ان کی صفات کے یہ اشعار سنو ؎

صاحبِ دلاں کہ عالم دل دارند
در نکتہ غیب محرم اسرارند
ہر آئینہ صفائے شاں زنگے نیست
زاں روئے ز نقش دُون حق بیزارند

(وہ اہل دل جو عالم دل کے مالک ہیں نکتۂ غیب کے رازداں ہیں۔ ان کے دل کے صاف وشفاف آئینہ پر کوئی زنگ نہیں اسی لئے وہ ہر نقش ماسوئ اللہ سے بیزار ہیں)۔

فائدہ — ۱۹

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ جب تک سالک عالم ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت سے نہیں گذر جاتا مقصود تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ایک عالم سے گذرنے کے بعد ہی دوسرے عالم میں پہنچتا ہے۔ ناسوت عالم حیوانات کو کہتے ہیں۔ اس کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ ناسوت نفس کی صفات مذمومہ کا نام ہے اور اس منزل کا کام حواس خمسہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسے کھانا، پینا، دیکھنا، سننا اور سونگھنا۔ جب ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ اس عالم سے گذر جاتا ہے تو عالم ملکوت میں پہنچ جاتا ہے اور وہ فرشتوں کی منزل ہے۔ اور اس منزل کا کام تسبیح و تہلیل، رکوع و سجود، قیام و قعود ہے۔ یہ قوت عاقلہ کی صفات ہیں اور یہ اوصاف حمیدہ ہیں۔ جب ان چیزوں کی طرف سے نظر پھیر کر اس منزل سے گذرتا ہے تو عالم جبروت میں پہنچ جاتا ہے۔ اور یہ عالم روح کی خاص صفات سے متعلق ہیں جیسے — ذوق و شوق، طلب و وجد، سکر و صحو۔ اس کا ثمرہ یہ ہے کہ ذات مقدس سے قربت حاصل ہوتی ہے۔ جب سالک ان صفات خاص سے مجرد ہو جاتا ہے تو عالم لاہوت میں پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے کہ سالک جب تک صفات میں مشغول رہتا ہے، ذات حق سے حجاب میں رہتا ہے۔ ان صفات سے مجرد ہونے کی بعد ہی لاہوت میں پہنچتا ہے۔

ان الی ربك المنتھی[۱] (بیشک تمہارے رب ہی کی طرف انتہا

---

۱ النجم / ۴۲

ہے)۔ وہ لامکاں ہے۔ وہاں نہ گفتگو ہے نہ جستجو۔ جب یہ بات طے ہوگئی تو اب یہ بھی تمہیں معلوم ہو جائے کہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک حریص مولع دوسرے تائب مبتدی اور تیسرے عارف منتہیٰ۔ حریص مولع، موت کو یاد نہیں کرتا۔ اگر یاد کرتا بھی ہے تو صرف اس افسوس میں کہ دنیا اس سے چھوٹ جائیگی۔ اور موت کی یاد ایسے شخص کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔

تائب مبتدی موت کو بہت یاد کرتا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ اس کے دل میں خوف وخشیت پیدا ہو۔ ایسا شخص توبہ پر ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ عارف منتہی ہمیشہ موت کی یاد میں لگا رہتا ہے اس لئے کہ موت کے بعد ہی دوست کی لقا اور اس کا دیدار حاصل ہوگا۔ محبّ کبھی بھی اس مقام کو فراموش نہیں کرتا جہاں محبوب حقیقی کے دیدار کا وعدہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کی یاد دل کو منغض کرتی ہے۔ دنیا کی لذتوں کو بے لذت بناتی ہے۔ اسباب لذت اور سامان ذوق کو دل سے ختم کرتی ہے اور یہی نجات کے اسباب ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا گناہوں کو مٹاتا ہے۔ **اکثروا الموت ذکر هادم الذات**۔ موت کو یاد کر کے دنیاوی لذتوں کو ختم کردو اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاؤ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: یارسول اللہ! کل قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ کسی کا حشر ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں، **من یذکر الموت فی الیوم و اللیلة عشرین مرة** (جو دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرتا ہے وہ شہیدوں کے ساتھ اٹھا

یاجائے گا)۔ کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے موت کو پہچانا اس پر دنیا کی مصیبتیں اور غم آسان ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے موت کا تذکرہ ہوتا توان کے جسم سے خون ٹپکنے لگتا۔

اے بھائی! دن رات میں موت کو کم سے کم بیس بار بھی ضروریاد کرو بلکہ اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق جس قدر ہوسکے اتنایاد کرو اور اس انتظار میں رہو کہ کب آجائے۔

امام ثوری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے ایک ضعیف شخص کو کوفہ کی مسجد میں دیکھا، وہ فرمارہے تھے کہ میں تیس سال سے اس مسجد میں موت کا انتظار کررہاہوں۔ دیکھئے کب آتی ہے۔ میں اس حال میں ہوں کہ مجھ سے کسی چیز کا کوئی مطالبہ نہیں کرسکتا۔ نہ میرا کسی کے پاس کچھ ہے اور نہ کسی کا مجھ پر کوئی بار ہے۔

فائدہ —— ۲۰

اے بھائی! شرف منیری کا سلام ودعاء مطالعہ کیجئے۔ آپ کا مکتوب ملا جس میں شوق واشتیاق کا تذکرہ ہے۔ یقیناً محبّ اپنے محبوب کے لئے مشتاق رہتا ہے **المحب لایکون الا مشتاقاً**۔ جب آں برادر نے محبت کا دعویٰ کیا ہے تو پھر اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دعویٰ تو بہت آسان ہے لیکن اس دعویٰ کی دلیل قائم کرنا بہت مشکل ہے۔

اے بھائی! یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ باہوش رہنے کی ضرورت ہے، کسی دعویدار کو بغیر دلیل کے نہیں چھوڑتے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب نمرود لعین نے آگ میں ڈالنے کے لئے منجنیق میں رکھا تو انہوں نے فرمایا: **حسبی اللہ** (اللہ میرے لیۓ کافی ہے)۔ جیسے ہی یہ دعویٰ کیا ویسے ہی دلیل کا مطالبہ ہو گیا اور ابھی ہوا ہی میں تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آگئے۔ پوچھا: **ھل لك حاجة** (کوئی حاجت بھی ہے)۔ انہوں نے جواب دیا: ہے تو لیکن آپ سے نہیں۔ **اماالیك فلا**۔ اس طرح انہوں نے اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کر دی۔ ایک روز حضور نبی کریم ﷺ نے حارثہؓ کو دیکھا تو دریافت فرمایا: **کیف اصبحت یا حارث**. اے حارث! تمہاری صبح کیسی ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا **اصبحت مومنا حقا**. میں نے ایک حقیقی مومن کی حیثیت سے صبح کی۔ یہ حضرت حارثؓ کا دعویٰ تھا جو انہوں نے اپنے ایمان کی حقیقت سے متعلق کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو بغیر دلیل و ثبوت کے نہیں چھوڑدیا۔ فرمایا: **ان لکل حق حقیقة فما حقیقة ایمانك** (ہر ایک حق بات کی اصل ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے)؟ انہوں نے یہ دلیل پیش کی: **عرفت نفسی عن الدنیا واسھرت لیلی واظمأت نھاری و استوی عندی ذھبھا وفضتھا وحجر ھا ومدر ھا وکانی انظرالی عرش ربی بارزا وکانی انظرالی اھل الجنة تیزا وروں والی اھل النار یتغاورون**۔ (میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پہچانا۔ راتوں کو جاگ کر گذارا اور دن کو بھی اس حال میں گذارا کہ مرے نزدیک سونا چاندی اور پتھر کنکر سب برابر ہیں۔

گویا میں اپنے رب کے عرش کو صاف دیکھ رہا ہوں اور جنت والے ایک دوسرے سے مل رہے ہیں اور دوزخ والے مزید پستی و گہرائی میں چلے جارہے ہیں۔) اگر حضرت حارثؓ یہ دلیل پیش نہیں کرتے تو پھر حضور ﷺ کے سامنے ان کی کیا عزت رہتی۔

ایک دفعہ کوئی بزرگ شخص فقرا کی جماعت میں پہنچے۔ کہا: السلام علیکم! ان لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: فقیروں کا غلام۔ اس جماعت کے فقرا نے اپنی جماعت کے ایک شخص سے کہا کہ اٹھو اور اس شخص کو بازار میں لے جاکر بیچ دو۔ وہ اس بزرگ شخص کو بازار لے گئے اور وہاں لے جاکر فروخت کردیا۔ جب خریدار ان کو اپنے گھر لے گئے اور ان کے معاملات و معمولات کو دیکھا تو حیران رہ گئے اور کہا سبحان اللہ! آپ کے جیسا آدمی اور غلام کیسے ہوگیا۔ اے حضور! مجھے اس راز سے مطلع فرمایئے اور اپنے پروردگار کے غلام ہو کر رہیئے۔ انہوں نے فرمایا: بات یہ تھی کہ میں نے یہ دعویٰ کردیا کہ میں فقیروں کا غلام ہوں۔ لہٰذا مجھ سے اس دعویٰ کی دلیل طلب کرلی گئی جو آپ نے دیکھا۔

اے بھائی! جہاں تک ممکن ہو سکے معنی کی راہ پر چلنا چاہیئے اور دعویٰ سے دور رہنا چاہیئے نہیں تو پھر دلیل کا مطالبہ ہوگا اور دلیل پیش کرنا ہمارے تمہارے بس سے باہر ہے، مردوں کا کام مخنثوں سے کہاں ہونے والا ہے۔

اے بھائی! بندہ جب لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو تمام چیزوں سے رخ پھیر لیتا ہے۔ اس وقت وہ خدا سے محبت کا دعوی کرتا ہے۔ اس وقت دلیل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بغیر دلیل کا دعویٰ کوئی اہمیت

نہیں رکھتا۔ جب میں نے لا الہ الا اللہ کہا تو اس بات کا دعویٰ کیا کہ تیرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ اس دعویٰ کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم ڈریں تو صرف اسی سے، اگر ہم امید رکھیں تو صرف اسی سے۔ اگر کسی دوسرے سے ڈرتے ہیں اور کسی دوسرے سے امید رکھتے ہیں تو یہ دعویٰ کی دلیل نہیں ہوئی اور بے دلیل کا دعویٰ جھوٹا دعوی ہے اور زبانی ایمان کل قیامت کے دن کسی کام کا نہیں۔ اگر کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے تو ہم اس کے سامنے گناہ کا کام نہیں کرتے لیکن خدا ہر وقت دیکھ رہا ہے اور ہم اس کے سامنے روزانہ سیکڑوں گناہ کر رہے ہیں۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہم مخلوق سے ڈرتے ہیں لیکن خدا سے نہیں ڈرتے۔ اور جو مخلوق سے ڈرتا ہے اور خالق سے نہیں ڈرتا وہ مومن رہا یا کافر خود سمجھ لو۔ یہ جو کچھ بیان ہوا اس کا مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے صرف دعوی پیش کرنے پر کسی کو نہیں چھوڑا گیا ہے۔

مرید جو اپنی بلند ہمتی کی وجہ سے ساتوں آسماں و زمین کے مالک حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طلب کا دعویٰ کرتا ہے اس کو بغیر دلیل پیش کئے کیسے چھوڑ دیں گے۔

اے بھائی! جس طرح سونے چاندی کو آگ میں ڈال کر جانچتے ہیں کہ خالص اور کھوٹا الگ الگ ہو جائے اسی طرح مومن کو طرح طرح کی بلاؤں میں ڈال کر آزماتے ہیں تاکہ مخلص اور منافق، مدعی اور محقق، سچے اور جھوٹے میں جو فرق ہے وہ عیاں ہو جائے اور کون کیسا ہے یہ ظاہر ہو جائے۔ دنیا میں جتنی تکالیف ہیں چاہے رنج و بلا ہو یا نعمت و راحت سب اسی امتحان اور اسی آزمائش کے لئے ہیں۔

فائدہ ـــــ ۲۱

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو ؎

درکوئے بتاں رفت ہمہ عمر دریغا
چوں برہمن پیر بہ بت خانہ بماندیم

(ہائے افسوس! بتوں کے کوچہ میں ساری عمر گذر گئی، بوڑھے برہمن کی طرح ہمیشہ بت خانہ میں پڑا رہا۔)

اے بھائی! دنیا کی خرابی اس حد تک ہے کہ ایک بزرگ نے فرمادیا کہ **الدنیا کنیف آدم** (دنیا آدم کا پائخانہ ہے)۔ کون ایسا دل ہوگا جو پائخانہ میں رہنا پسند کرے، وہاں رہ کر نعمت ولذت کا اکتساب کرے اور وہاں کے قیام کو باعث فخر و تجمل سمجھے۔

نقل ہے کہ یہ دنیا شیطان کا علاقہ ہے۔ جب کوئی دنیا کو ہاتھ لگاتا ہے تو وہ ملعون کہتا ہے کہ جانتے ہو میں نے اس دنیا کے لئے اپنے ایمان اور دین کی بازی لگادی ہے، اس کے بعد ہی یہ دنیا مرے حوالہ کی گئی ہے۔ جو میرے علاقے کو ہاتھ لگائے گا وہ اس بات کو سمجھ لے کہ وہ اپنا دین وایمان میرے حوالہ کررہا ہے۔

فائدہ ـــــ ۲۲

اے بھائی! اہل معرفت نے فرمایا ہے کہ عوام کے تین بت ہیں:

(۱) کھانے پینے کی خواہش اوراس کی محبت۔

(۲) شرم گاہ کی شہوت اور اس کی محبت۔
(۳) بیوی بچوں کی محبت۔
اور خواص کے بھی تین بت ہیں:
(۱) مال کی محبت۔
(۲) جاہ و مرتبہ کی محبت۔
(۳) ظاہری زیب و زینت کی محبت۔

ان چھ کے علاوہ ایک ساتواں بت بھی ہے اور وہ نفس کافر ہے اور یہی سارے بتوں کا اصل ہے کہ **النفس هي الصنم الاكبر** نفس ہی سب سے بڑا بت ہے۔ اسی لئے شرع شریف میں آیا ہے کہ نفس کافر سے جہاد کرنا ہی جہاد اکبر ہے۔ ارشاد ہے: **رجعنا من الجهاد الا صغر الى جهاد الاكبر** (میں چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آیا ہوں)۔ کافر کو تلوار سے بھگایا جا سکتا ہے لیکن نفس کافر ایسا چھپا ہوا دشمن ہے جس کو ہٹانے اور دور کرنے کی کسی کے پاس صورت نہیں ہے اور اس کے شر سے کوئی محفوظ و مامون نہیں ہے۔ اسی کو کسی صاحب نظر نے یوں کہا ہے؂

برہمن را بت اندر خانہ باشد من بتر زویم
کہ سر پوشیدۂ اندر دل بدکیش می باشد

(برہمن کے گھر میں بت ہوتا ہے، میں تو اس سے بھی بدتر ہوں کہ میرے بدکیش دل میں نفس کا بت سر چھپائے ہوئے ہے۔)

جب تمہیں عوام و خواص کے بتوں کا علم ہو گیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ ہم لوگ پوشیدہ بت پرستی کر رہے ہیں اور کافر کی بت پرستی ظاہر و عیاں ہے۔ اس سے زیادہ کا فرق نہیں۔ ایسی صورت میں حال کے اعتبار سے یہ جبہ و دستار ہمارے لئے بت خانہ و زنار سے کم نہیں۔

جوانمردی کا انصاف یہی ہے جو کسی جوانمرد نے کہا ہے ؂

پوشیدہ بسے خدمت بت کردم و زیں بس
زنار ہوس می کندم از توچہ پوشم

(چھپ کر بتوں کی خدمت کرتا رہا۔ ہوس کا زنار گلے میں ڈالے رہا۔ تجھ سے کیا چھپاؤں۔)

اے بھائی! جو چیز بندہ اور حق کے درمیان حجاب بن جائے اور بندہ کو اپنی طرف مشغول کردے، طالبان حق کی نظر میں وہی بت ہے، جو چاہو کہو۔ اگر پتھر کا بت سامنے میں نہیں ہے تو اس سے کیا ہوا' جو بت کا مفہوم ہے وہ تو موجود ہے اور بت پرستی کا جو تصور ہے وہ تو ہو رہا ہے۔ اسی لئے اسی کو بت کہیں گے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؂

بت پرستم بت پرستم   راست گفتم ہرچہ ہستم

(میں بت پرست ہوں۔ ہاں، میں بت پرست ہوں۔ میں جو کچھ ہوں وہ سچ سچ بتا رہا ہوں۔)

اے بھائی! نفس کافر جو تمام بتوں کا سرغنہ ہے اس کے بارے میں کیا سننا چاہتے ہو۔ اس نفس کافر کی ساری خواہش خداوند تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوتی ہے اور خداوند تعالیٰ کا جو دعویٰ و مطالبہ ہے یہ نفس کافر بھی وہی مطالبہ کر رہا ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ خداوند تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے یہ مطالبہ ہے کہ سب اس کی حمد و ثنا کریں اور سب اس کی تعریف کریں۔ لیکن نفس کافر کا یہ مطالبہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی تعریف کریں۔ خداوند تعالیٰ کا مخلوق سے یہ مطالبہ ہے کہ سب اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس کی نافرمانی سے دور رہیں۔ نفس کافر

یہ چاہتا ہے کہ سب اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگے رہیں اور اس کی نافرمانی سے دور رہیں۔ خداند تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ ساری مخلوق اس کے عطاو کرم کی تعریف کریں اور نفس کافر یہ چاہتا ہے کہ سب لوگ اس کی سخاوت و کرم کے رطب السان رہیں۔ خداوند تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی طرف مائل رہے اور اسی سے خوفزدہ رہے اور نفس کافر یہ چاہتا ہے کہ سب اس کی طرف مائل رہیں اور اسی سے ڈرتے رہیں۔ یہ ساری صفتیں خداوند کی ہیں اور نفس کافر اپنے لئے اس کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں سے اپنے لئے مطالبہ کرتا ہے۔ جب تک آدمی کے اندر یہ دعویٰ اثر انداز نہیں ہوتا اس وقت تک اس سے خدائی کا دعویٰ وجود میں نہیں آتا۔ فرعون لعین نے اپنے آپ کو کچھ سمجھا، اپنے اندر ان صفتوں کا خیال بسایا پھر اس کے بعد انا ربکم الا علیٰ (میں تمہارا بڑا رب ہوں) کا دعویٰ کر دیا۔ دیکھو اس خیال میں نہ رہنا کہ اس طرح کی باتیں صرف فرعون میں تھیں اور ہم لوگوں میں نہیں ہیں۔ جی نہیں، اس طرح کا دعویٰ اور اس طرح کی باتیں سب کے نفس میں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کو قتل کا خوف نہیں تھا اور اس زمانہ میں اس سے زبردست کوئی دوسرا شخص نہیں تھا اس لئے اس نے اعلانیہ انا ربکم الا علیٰ کا دعویٰ پیش کر دیا اور ہم لوگوں کا نفس ڈرتا ہے کہ کہیں قتل نہ کر دیئے جائیں اس لئے ہم لوگوں کا دعویٰ پوشیدہ ہے۔ اس کی فرعونیت اعلانیہ تھی اور ہمارے نفس کا دعویٰ پوشیدہ ہے۔ بس فرق اتنا ہی ہے۔ اسی مقام پر کسی صاحب نظر نے کہا ہے ؎

تو گر خود را ہمی دانی مسلماں گوید اے یارے
مرا نزدیک شد کز دست تو زنار بر بندم

(اے دوست !اگر تو اپنے کو مسلمان سمجھتا ہے تو اپنے کو مسلمان کہہ لے۔ لیکن مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تیرے ہاتھ میں زنار بند ھوادوں۔)

اے بھائی! اس نفس کافر کا مکر ایسا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہو تو کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔ نفس کافر کو اگر موقع ملے تو ایک چشم زدن میں وہ دعویٰ مسلمانی کو ختم کر کے سیکڑوں زنار بند ھوادے اور سیکڑوں بت تمہارے سانے پیش کردے اسی بات کو اس شعر میں کہا گیا ہے ؎

ازیں کافر کہ مارا در نہا داست
مسلماں در جہاں کمتر فتا داست

(اس کافر نفس کی وجہ سے جو ہماری طبیعت اور سرشت میں داخل ہے، دنیا میں حقیقی مسلمان بہت کم رہ گئے ہیں۔)

چاہیئے کہ کسی طرح بھی اسے یعنی نفس کافر کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھو اور اس سے محفوظ و مامون رہنے کی امید نہ رکھو۔ جب وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور اپنی سچائی و پاکبازی کی نمائش کرے تو اس وقت تک اس پر یقین نہ کرو جب تک اس کا امتحان نہ لے لو جیسا کہ سلیمان علیہ السلام نے تاج نبوت سر پر رکھنے اور معصوم ہونے کے باوجود اس کا امتحان لیا جیسا کہ کسی اہل اشارات نے کہا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے نفس نے طہارت کا دعویٰ کیا اور اپنی پاکبازی دکھلائی تو آپ نے اس پر نیک گمان نہیں کیا۔ آپ کو اس پر یقین نہیں آیا جب تک کہ اس کا امتحان نہ لے لیا۔ دنیا کی ایسی سلطنت اور بادشاہت طلب کی جس میں کسی کی شرکت نہ ہو۔ یہ دعا نفس کے امتحان ہی کے لئے تو تھی۔ آپ نے دعا کی: رب ھب لی ملکالا ینبغی لا حد من لبعدی

(اے اللہ مجھے ایسی بادشاہت دیجئے کہ جس میں میرے بعد کسی کی شرکت نہ ہو)۔ نفس کی سب سے اہم اور بڑی مراد دنیا کی سلطنت اور بادشاہت ہے۔ یہ انبیائے کرام اہل معرفت کے سردار ہیں۔ نفس کافر کی شرارتوں کو، اس کے مکر و فریب کو اور اس کی بلاؤں کو اچھی طرح جانتے ہیں اسی لئے حضرت سلیمانؑ نے اتنی آسانی سے یقین نہیں کر لیا بلکہ اس کو امتحان اور آزمائش میں ڈالا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم سلطنت و بادشاہت بلا شرکت غیرے اور بے مداخلت احدے عطا فرمایا تو بھی آپ ویسے ہی رہے جیسے سلطنت و بادشاہی ملنے کے قبل تھے، یعنی وہی تھیلیاں بنتے اور دو روٹیوں کے عوض فرخت کر دیتے۔ ایک روٹی فقیروں کو دے دیتے اور ایک روٹی سے مسکینوں کے ساتھ افطار کرتے۔ جب نفس کی شرارتوں سے نبیوں کے خوف کا یہ حال ہے تو دوسروں کے بارے میں کیا کہا جائے۔ اسی لئے سالکین راہ طریقت اور طالبین ملک حقیقت نفس کافر کے ہاتھوں خون کے گھونٹ پیتے رہے ہیں۔ اس کے مکر و شر کی بنا پر خود اپنی ذات سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور خود کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ وہ جو تم نے سنا ہے کہ بعض سالکوں نے زنار باندھ لیا ہے اور بت خانہ میں چلے گئے ہیں تو یہ سب اسی نفس کافر کی وجہ سے ہوا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

اے برہمن بارده رد کردۂ اسلام را
یا چو من گمراه را در پیش بت ہم بار نیست

(اے برہمن! اسلام کے رد ہوئے مسلمان کو اپنے بت خانہ میں آنے کی اجازت دے یا میرے جیسے گمراہ کے لئے بت کے سامنے بھی آنے کی جگہ نہیں۔)

فائدہ ــــ ۲۳

اے بھائی! مشائخ میں سے کسی نے خواب میں خواجہ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ عرش کے نیچے کمال سکر کی کیفیت میں نعرہ لگا رہے ہیں۔ بارگاہ خداوندی سے فرشتوں کو خطاب ہوا کہ من ھذا (یہ کون ہے) اور اس کے نالہ و فریاد کا سبب کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم کے ذریعہ سب کچھ جان رہا تھا پھر بھی اس نے فرشتوں سے سوال کردیا۔ فرشتوں نے عرض کیا: بارالٰہا یہ آپ کا بندہ معروف ہے۔ فرشتوں کو بتایا گیا کہ یہ معروف وہ ہے جو صرف میرے لئے عالم مستی میں گم ہے اور یہ میرے دیدار کے بعد ہی ہوش میں آئے گا۔

اے بھائی! جو ارباب صدق ہیں وہ لِیَسْئَلُ الصّٰدِقِین عن صدقھم [۱] (سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کریگا) کی تنبیہ سے خائف ہیں۔ جو اصحاب طاعت ہیں وہ انما المخلصون علیٰ خطر عظیم کے تیر سے کانپ رہے ہیں۔ جو عابد و زاہد ہیں جو عارف و عالم ہیں وہ ان اللہ لغنی عن العالمین [۲] (بے شک اللہ بے پرواہے سارے جہاں سے) کے تیغ بے نیازی کی ہیبت سے پریشان ہیں۔ اگر معرفت کی گلیوں میں چکر لگاتے ہیں تو کہا جاتا ہے: وماقدروا اللہ حق قدرہ [۳] (اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیئے تھی)۔ اگر عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے: وماامروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین [۴] (ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لئے خاص ہو)۔ اگر دونوں سے الگ ہوجاتے ہیں تو کہا جاتا ہے: وما خلقت الجن والانس الالیعبدون [۵] (اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے پیدا کئے کہ میری بندگی کریں)۔ اگر غافل ہو کر بیٹھ جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے: ان ربك

[۱] الاحزاب/۸ [۲] العنکبوت/۶ [۳] الزمر/۶۷ [۴] البینۃ/۵ [۵] الزاریات/۵۶

لشدید العقاب[1] (بے شک تمہارے رب کا عذاب سخت ہے)۔ اگر کسی کو شفیع بنانا چاہتے ہیں تو کہا جاتا ہے: لا یتکلمون الامن اذن له الرحمن وقال صوابا[2] (کوئی نہ بول سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اجازت دی اور اس نے ٹھیک بات کہی)۔ اگر خود پر یا اپنے غیر کی طرف نظر کرتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ لئن اشرکت لَیَحْبَطَنَّ عملك[3] (اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت ہو جائیگا)۔ اگر چاہتے ہیں کہ اپنے اندر سودائی اور دیوانگی پیدا کریں تو کہا جاتا ہے: وان علیکم لحافظون (اور بے شک میں تمہارے اوپر حفاظت رکھوں گا)۔ اگر چاہتے ہیں کہ اندر ہی اندر کچھ کریں تو کہا جاتا ہے یعلم السر وأخفی[4] (وہ بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے۔ اگر چاہتے ہیں کہ گوشہ نشیں ہو جائیں تو کہا جاتا ہے: این المفر[5] (کدھر بھاگ کر جاؤ گے)۔ اگر چاہتے ہیں کہ کہیں بھاگ جائیں تو کہا جاتا ہے: والیه المصیر[6] (اور اسی کی طرف پھرنا ہے)۔ اگر چاہتے ہیں کہ سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جائیں تو کہا جاتا ہے: والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[7] (اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی، ضرور ہم انہیں اپنا راستہ دکھائیں گے)۔ اگر کوشش میں لگتے ہیں تو کہا جاتا ہے۔ یختص برحمته من یشاء[8] (اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے)۔ اگر اپنے کو مامون سمجھتے ہیں تو کہا جاتا ہے: افامنوا امکر الله[9] (کیا اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر ہیں) اور اگر فریاد کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے: لایسال عمایفعل[10] (اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے)۔ اس کے معاملات ہی عجیب ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ کے ساتھ جب یہ معاملہ ہے تو دوسرا کون ہے جو اس کے سامنے دم مارلے)۔ سنو۔ نبی کریم ﷺ ایک

---

[1] الرعد/ ۶ [2] النساء/ ۳۸ [3] الزمر/ ۵۶ [4] طٰہ/ ۷ [5] القیامۃ/ ۱۰ [6] المائدہ/ ۱۸
[7] العنکبوت/ ۶۹ [8] آل عمران/ ۷۴ [9] الاعراف/ ۹۹ [10] الانبیاء/ ۲۳

رات سو کر اٹھے تو آپؐ کے سترہ بال سفید ہو چکے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا: اے مرے آقا! یہ کیا معاملہ ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ رات سورۂ ہود کا مجھ پر نزول ہوا۔ یہ اس خطاب کا اثر ہے جس میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا کہ **فاستقم کماامرت** [۱] (سیدھے قائم رہو جیسا کہ حکم دیا گیا) اگر کمبل اوڑھ کر سوتا ہوں تو حکم ہوتا ہے: **یا ایھاالمدثرقم فانذر** [۲] (اے کملی اوڑھنے والے کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈراؤ) اور اگر کملی سے باہر آتا ہوں ان کو بلانے کے لئے تو ارشاد ہوتا ہے: **فاھجر ھم ھجراً جمیلا** [۳] (ان سے خوبصورتی کے ساتھ علیحدہ ہو جائے)۔ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام پوچھتے ہیں۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ فرمان ہوتا ہے: اے محمد ﷺ! آپ آرام چاہتے ہیں اور ہم آپ سے سرگردانی چاہتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ میرا حساب پورا کر دیں اور گوشہ میں بیٹھ جائیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمہ دم اور ہر گھڑی ہمیں آپ سے اور آپ کو ہم سے ہزار گونہ حساب باقی رہے۔ اگر آپ کو خوش و خرم دیکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں: **لاتفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** [۴] (زیادہ خوش مت ہوئیے، بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا)۔ اور اگر آپ کو افسردہ و تنگدل دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں: **ولقد نعلم انك یضیق صدرك بما یقولون** [۵] (اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ تنگ دل ہوتے ہو)۔ اگر آپ بہت زیادہ عبادت میں لگ جاتے ہیں تو ہم کہتے ہیں: **طٰہٰ ماانزلنا علیك القراٰن لتشقٰی** [۶] (اے محبوب! ہم نے قرآن تم پر اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو) اور اگر آپ عبادت کم کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں: **واعبدربك** [۷] (اپنے رب کی عبادت کرو)۔ اگر رات میں سوتے ہیں تو ہم کہتے ہیں: **قم اللیل** [۸] (رات میں قیام فرمائیے) اگر پردہ کے اندر خوش رہ کر بیٹھے ہیں تو کہتے ہیں: یہ آپ کی والدہ کی

---

[۱] هود/۱۱۲ [۲] المدثر/۱ [۳] المزمل/۱۰ [۴] القصص/۷۶ [۵] الحجر/۹۷
[۶] طٰہٰ/۱ [۷] الحجر/۹۹ [۸] المزمل/۲

دہلیز نہیں۔ اگر اقربا کے ساتھ نرمی و آسانی کرتے ہیں تو کہتے ہیں: وانزر عشیر تك الاقربین [۱] (اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ) اور اگر آپ سختی کا معاملہ کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں: واحفض جناحك [۲] (اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ)۔ اگر نرمی برتتے ہیں تو ہم کہتے ہیں: واغلظ علیھم [۳] (اور ان پر سختی کرو)۔ اگر نرمی برتتے ہیں توہم کہتے ہیں: ولو کنت فظاغلیظ القلب لانفضو امن حولك [۴] (اور اگر آپ تند مزاج سخت دلی ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے)۔ اگر آپ بے جھجک صاف صاف کہہ دیں تو ہم کہتے ہیں: وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا [۵] (اور ان کے معاملہ میں بلیغ گفتگو فرمایئے) اور اگر آپ مبالغہ سے کام لیں تو ہم کہتے ہیں: قل لھم قولا میسورا [۶] (ان سے نرمی سے بات کہہ دیجئے)۔ جب حضورؐ کی سیرت پاک کا یہ رنگ ہے تو کیا ہی سرگردانی و پریشانی ایک مشت خاک پر ہے! اس ماتم و مصیبت میں اگر اپنے آپ پر سینکڑوں بار نوحہ نہ کرے تو کیا کرے۔ نزع کے وقت جب خرمن طاعت کو جو وقدمنا الی ماعملو [۷] (اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے) بے نیازی کی ہواؤں سے اڑا دیا جائے گا اور سکرات موت کی حالت میں بہت سارے آبادسینوں کو وبدالھم من اللہ مالم یکونو ایحتسبون [۸] (اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی) کے ذیعہ تباہ و برباد کر دیا جائیگا۔ اور بہت سارے چہرے جو آشنا سمجھ کر قبر میں قبلہ رخ لٹائے جائیں گے۔ پہلی ہی رات میں بیگانہ کر دیئے جائیں گے۔ کسی سے کہا جائے گا: نم کنومة العروس (شہنائی دلہن کی طرح سو جاؤ) کسی کو حکم ہوگا: نم نو مة

---

[۱] الشعراء/۲۱۴ [۲] الشعراء/۲۱۵ [۳] التوبہ/۷۳ [۴] آل عمران/۱۵۹
[۵] النساء/۶۳ [۶] الاسراء/۲۸ [۷] الفرقان/۲۳ [۸] الزمر/۴۷

المحبوس (قیدی کی طرح سو جاؤ)۔ جب رد کرتے ہیں تو اس وقت کوئی عبادت کام نہیں آتی اور جب قبول کرتے ہیں تو اس وقت کسی گناہ کا خوف نہیں رہتا۔ آذر کے بت خانہ سے خلیل اللہ پیدا ہوں۔ یخرج الحی من المیت[1] (زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے) نوح کے گھر سے کنعان کی پیدائش ہو۔ یخرج المیت من الحی[2] (مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے)۔ آدم کے اثبات کو دیکھو کہ ذلت کے باوجود اپنے مقام پر قائم رہے اور ابلیس کی نفی کو دیکھو کہ ساری طاعت و عبادت رہتے ہوئے بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا۔ کسی کو لھم البشری[3] کی خوشخبری دے کر بلایا جارہا ہے اور کسی کو لا بشری یومئذ للمجرمین[4] (مجرموں کے لئے آج کے دن کوئی خوشخبری نہیں) کا حکم نافذ کر کے راندۂ درگاہ کیا جارہا ہے۔ کسی سے کہا جا رہا ہے: سیماھم فی وجوھم من اثر السجود[5] (ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے) اور کسی کی نشانی بتائی جارہی ہے کہ یعرف المجرمون بسیماھم[6] مجرم اپنے چہرے سے پہچانے جائیں گے)۔

فائدہ ـــــ ۲۴

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ جو خود ماتم اور مصیبت میں گرفتار ہے اور جس کی حالت خود خراب و خستہ ہے وہ بے چارہ کسی دوسرے کو کیا یاد کرے گا۔ کسی سے کیا کہے گا اور کسی کو کیا لکھے گا۔ بھائی! اپنی یہ حالت ہے اور جناب دل چھوٹا کئے ہوئے ہیں۔

---

[1] الانعام / ۹۶ [2] یونس / ۳۱ [3] الزمر / ۱۷
[4] الفرقان / ۲۲ [5] الفتح / ۲۹ [6] الرحمٰن / ۴۱

اے بھائی ! عمر گذر گئی ۔ موت سامنے ہے' سفر آخرت درپیش ہے۔ اس خوف اور حیرت میں ہوں کہ جب ملک الموت آئیں گے اور کہیں گے اے باراللہ اس بندہ کی روح سعادت پر قبض کروں یا شقاوت پر تو معلوم نہیں کہ اس وقت کیا جواب ملے گا۔ جو خود اس حیرت میں ہو وہ اپنے آپ میں ہے کہاں۔ اسی مقام کی بات ہے ؎

خواندۂ سابقت ندانم چیست
خواندۂ خاتمت ندانم کیست

(پہلے کیا لکھا گیا ہے میں نہیں جانتا اور خاتمہ سے متعلق کیا فیصلہ ہوا ہے یہ مجھے معلوم نہیں۔)

اے بھائی! کام بہت مشکل ہے ،نہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کے کہنے سننے میں وقت گذارا جا سکتا ہے۔ جو بت خانہ میں پیدا ہوا، جس کی پرورش بت خانہ میں ہوئی، جس نے بتوں کے سامنے سجدہ کرنے میں اپنی زندگی بتادی وہ کیا کہے اور اس کا کیا حال ہو گا؟ اس بے چارہ پر رحمت ہو جس نے یہ کہا ہے ؎

سودہ گشت از سجدہ راہ بتاں پیشانیم
چند خود را تہمت دین مسلمانی نہم

اے برہمن باردہ رد کردۂ اسلام را
یا چو من گمراہ را در پیش بتاں ہم راہست

(بتوں کے آگے سجدہ کرتے کرتے میری پیشانی گھس گئی ہے۔ایسی حالت میں میں اپنے اوپر مسلمان ہونے کی تہمت کب تک لگاتا رہوں۔ اے برہمن !جس کو اسلام نے رد کر دیا ہے ایسے مسلمان کو اپنے بت خانہ میں آنے کی اجازت دیا کیا میرے جیسے گمراہ بتوں

کے سامنے بھی حاضر ہونے کے لائق نہیں ہیں؟)

اے بھائی! بہشت اور دوزخ کے بہت سارے دروازے ہیں۔ تمام اقوال و افعال پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ بہشت کے دروازے ہیں اسی لئے ہر آرام و آسائش، اقوال و افعال پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ ہی کے ذریعہ انسان کو پہنچتی ہے اور اسی طرح ہر اقوال و افعال ناپسندیدہ اور اخلاق مذمومہ دوزخ کے دروازے ہیں۔ اسی لئے ہر مصیبت و تکلیف اقوال ناپسندیدہ و اخلاق مذمومہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ لہٰذا جو آج اقوال و احوال پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو گیا وہ دوزخ سے محفوظ رہ گیا اور بہشت میں داخل ہو گیا۔

اے بھائی! اب یہ سمجھ لو کہ مریدوں کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ بری باتوں کو اچھی باتوں میں تبدیل کرلیں۔ اور اسی کام کو اہل تصوف کے یہاں گردش کہتے ہیں۔ یعنی اپنے کو صفات مذمومہ سے ہٹا کر صفات محمودہ میں داخل کرنا گردش ہے۔ یہ کام مریدوں کے لئے وضو کی طرح ہے۔ جس طرح نماز کے پہلے وضو ہے اسی طرح یہ بھی ہے۔ بغیر وضو کے نماز نہیں ہو سکتی اسی طرح بغیر اس گردش کے کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ طریقت کی راہ پر چلنے کے لائق ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی اس گردش کے بغیر طریقت کی راہ پر چلنا چاہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی بغیر وضو کے نماز پڑھے۔ آج جو خرابی و نقصان تم دیکھ رہے ہو وہ اسی وجہ سے ہے کہ بغیر اس شرط کو پوری کئے ہوئے لوگ اس راہ پر چلنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک کام کے لئے شرط ہے۔ جب تک وہ شرط پوری نہیں کی جاتی وہ کام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح طریقت کا کام بھی بغیر گردش کے نہیں ہو سکتا۔ جو پیر ہوتے ہیں وہ اس راہ کو طے

کئے ہوتے ہیں، اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف ہوتے ہیں، اپنے نفس کو چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اپنی لذتوں اور اپنے حصّے سے آزاد ہوتے ہیں اور اس راہ سے آشنا ہوتے ہیں۔ اس لئے مرید کو چاہیئے کہ کسی پیر کے قدموں میں رہ کر ان کے سایہ دولت میں وقت گذار کر اس گردش کو حاصل کریں۔ (یعنی پیر کی خدمت میں رہ کر صفات مذمومہ کو صفات محمودہ سے تبدیل کریں۔) جس کو درد حاصل ہو گیا اور جس کے سینہ میں یہ درد و غم پیدا ہو گیا وہ بری باتوں سے اور نقصاندہ کاموں سے نکل آیا اور خود کو مردان راہ کے کمال تک پہنچا دیا۔ صورتاً و معناً وہ آدمی بن گیا۔ اس کے حال کے مطابق اس پر یہ فرض ہے کہ کسی ایسے پیر کامل کی جوتیوں کی خدمت میں لگ جائے تاکہ وہ پیر اس کو کمال کی راہ بتادے۔ اور شرط کے مطابق اس کی تربیت کردے اور اس راہ کے آفات و خطرات سے نکال کر سلامتی کے ساتھ راہ طے کرادے۔ اسی بات کو کسی نے یوں کہا ہے ؎

خاک او باش بادشاہی کن
آن اوباش ہر چہ خواہی کن

(اس کے قدموں کی خاک بن جا اور بادشاہی کر۔ اس کی آن ہو جا اور جو خواہش ہو وہ کر۔)

اب یہاں پر یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ کامل کس کو کہتے ہیں؟

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ کامل وہی ہے جس کو یہ چار چیزیں حاصل ہوں:

(۱) شریعت تمام (۲) طریقت تمام (۳) حقیقت تمام
(۴) معرفت تمام

جس کو یہ چار چیزیں حاصل ہیں وہی مقتدا ہے، وہی پیر ہے، وہی شیخ ہے اور وہی کامل ہے۔ پیری کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں اور جو ان کے علاوہ ہیں (یعنی جس کے اندر یہ چاروں صفات موجود نہیں) وہ ضلالت و گمراہی ہے جیسا کہ اس زمانہ میں دیکھنے میں آرہا ہے۔

اے بھائی! شریعت، طریقت اور حقیقت الگ الگ راہیں ہیں۔ شریعت وہ راہ ہے جس پر چل کر ظاہری پاکی حاصل ہوتی ہے۔ آدمی بادب اور مہذب ہوتا ہے۔ طریقت وہ راہ ہے جس سے تصفیۂ باطن حاصل ہوتا ہے۔ دل کے اندر صفائی پیدا ہوتی ہے۔ غیب سے قبولیت کے لائق ہوتا ہے۔ اپنے آپ سے نفرت اور حق سبحانہٗ تعالیٰ سے محبت و دوستی پیدا ہوتی ہے۔ کسی حال میں بھی اپنی طرف اشارہ نہیں کرتا ہے، اپنی طرف سے کوئی عبارت پیش نہیں کرتا اور یہ بات کثرت ذکر سے پیدا ہوتی ہے۔

حقیقت وہ راہ ہے جس پر چل کر اسقاط اضافات کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ تمام اضافتوں کو ختم کر دیتا ہے اور ذات واحد کی وحدانیت میں گم ہو جاتا ہے۔

اے بھائی! اپنا ماتم اور اپنی مصیبت سے کبھی خالی نہ رہو اور یہ مسلمانی جو تمہیں حاصل ہے اس پر تکیہ نہ کرلو۔ کافر و مشرک ہمارے اور تمہارے اسلام سے شرمندہ ہیں۔ یہود و نصاریٰ ہمارے اور تمہارے دین سے سو گونہ شرم رکھتے ہیں۔ اسی مقام پر کسی نے فریاد کرتے ہوئے یوں کہا ہے ؎

نمی دانم کرامانم بدیں سیرت گرفتارم
نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

(مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا ہوں میری سیرت تو ایسی ہے کہ نہ میں ہندو ہوں نہ مسلمان ہوں، نہ مرتد ہوں اور نہ بدکار ہوں۔)

اے بھائی! ہم لوگ خود پرست ہیں اور خود پرستی سے خدا پرستی حاصل نہیں ہوتی۔ خود پرستوں کو مسجد سے بت خانہ کی راہ لینا چاہیئے۔ اور وہی کہنا چاہیئے جو کسی بوڑھے ضعیف نے کہا ؎

در کوئے بتاں رفت ہمہ عمر دریغا
چوں برہمن پیر بہ بت خانہ بماندیم

(ہائے افسوس بتوں کی گلیوں میں ساری زندگی گذر گئی، بوڑھے برہمن کی طرح میں بت خانہ میں رہ گیا۔)

اے بھائی! کام کوئی بہت دور نہیں ہے۔ ملک و ملکوت تمہارے ساتھ' ملک و ملکوت کا مالک تمہارے ساتھ۔ پھر کیا ہے۔ اس آنکھ کو حاصل کرلو جس سے جمال بے کیف کا مشاہدہ کرو۔ وہ کان پیدا کرلو جس سے بغیر حروف کے کلام سنو۔ اس پر خدا کی رحمت ہو جس نے کہا ہے ؎

جہاں پر از آفتاب و دیدھا کور
جہاں پر از حدیث و گوشھا کر

(سارا جہاں سورج کی روشنی سے منور ہے لیکن آنکھیں اندھی ہیں۔ ساری دنیا میں اسی کا چرچا ہے لیکن کان بہرے ہیں۔)

فائدہ — ۲۵

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ "روح الارواح" میں ہے کہ پنجگانہ نماز حضور کریم ﷺ کی یادگار ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس عالم طہارت جسے قاب قوسین کہتے ہیں سے یہ تحفہ لیکر آئے۔ اے بھائی! عزت و مرتبہ کے اعتبار سے تمہارا قد تو بہت چھوٹا ہے، معراج تک کہاں پہنچ سکتے ہو۔ وہ شان و شوکت اور دبدبہ حاصل نہیں جو براق تمہارے دروازے پر آئے۔ اب ایسے میں کیا کرو گے؟ سنو سب سے پہلے پاک و طاہر اور صاف ستھرا کپڑا پہنو، آسمان عظمت کی بلندیاں رکھنے والی مسجد کی طرف خراماں خراماں جاؤ۔ ملک صفت مومنوں کے ساتھ بندگانہ عاجزانہ انداز میں صف اول میں لگ جاؤ۔ نیاز مندی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ خلوت راز میں بیٹھنے کے بعد دوستانہ انداز میں باہر آؤ۔

اللہ رب العزت جل جلالہ نے اپنے لطف و کرم سے نماز میں تمام ارکان شرع جمع کر دیئے ہیں یعنی نماز میں روزہ بھی ہے، حج بھی ہے اور جہاد بھی۔ جو شخص نماز میں کھڑا ہوا اس نے روزہ بھی رکھا بلکہ روزے پر کچھ اضافہ بھی کیا۔ جس طرح روزہ میں آدمی کھاتا پیتا نہیں ہے اسی طرح نماز میں بھی کھانے پینے سے اپنے کو روک لیتا ہے اور اضافہ کا مطلب یہ ہے کہ روزے کی حالت میں سونے کی اجازت ہے، چلنے پھرنے کی اجازت ہے اور مختلف طرح کے کاموں کے کرنے کی اجازت ہے لیکن نماز میں جو روزہ ہے اس میں ان

چیزوں کی بھی اجازت نہیں۔ نماز میں حج کا لطف بھی ہے، حج میں اگر آدمی احرام باندھتا ہے اور تہلیل پڑھتا ہے تو نماز میں بھی حج کی کیفیت موجود ہے یعنی اس میں بھی تحریمہ اور تہلیل ہے۔

نماز میں زکوٰۃ کا رکن بھی ہے۔ دوسو درم میں سے پانچ درم فقیر کو دینا ہے تاکہ وہ فقیر اپنی حاجت پوری کر سکے۔ اور نماز پڑھنے والا جس وقت پڑھتا ہے **اللھم اغفرلی ولوالدی ولمن توالد ولجمیع المئو منین** (اے اللہ تو مجھے بخش دے۔ میرے ماں باپ اور میری نسل کو اور سارے مسلمانوں کی بخشش فرما) تو اس دعا کے ذریعہ سارے مسلمانوں کو آسودہ کر دیتا ہے۔

نماز جہاد کی کیفیت بھی ہے۔ جب نماز پڑھنے والے نے وضو کیا تو گویا اس نے زرہ پہن لیا۔ جماعت جب کھڑی ہوئی تو امام کی حالت سپہ سالار کی ہوگئی اور مقتدی لشکر کی طرح ہوگئے۔ جو صف باندھ کر امام کے پیچھے کھڑے ہیں اس کی مدد کے لئے قدم جمائے ہوئے ہیں۔ اور جس طرح جہاد سے فتح اور نصرت حاصل کر کے فوجی واپس ہوتے ہیں اور اس وقت مال غنیمت تقسیم ہوتا ہے اسی طرح جب امام سلام پھیرتا ہے تو رب ذوالجلال کا فضل تقسیم ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جس نے نماز ادا کی اس نے حج ادا کیا گرچہ اس کے پاس راہ کا خرچ نہ تھا۔ جس نے نماز ادا کی اس نے جہاد کیا گرچہ اس کے پاس قوت نہ تھی۔ جس نے نماز ادا کی اس نے زکوٰۃ دیا گرچہ اس کے پاس مال نہیں تھا۔ جس نے نماز ادا کی اس نے روزہ رکھا حالانکہ اس کے پاس قدرت نہ تھی۔

اے بھائی! جب کوئی ایمان لاتا ہے تو وہ دل حوالے کرتا ہے،

جب نماز ادا کرتا ہے تو بدن حوالے کرتا ہے اور جب زکوٰۃ دیتا ہے تو مال پیش کرتا ہے۔ ہرگز ہرگز بے باکی اور آزادی کے ساتھ نماز کے حضور قدم نہ رکھنا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے جو نبوت اور عصمت کے گوہر نایاب ہیں اسی خلعت کی آرزو کی ہے اور اسی کی تلاش میں رہے ہیں۔ ہزاروں عابد وزاہد دو رکعت نماز کی آرزو کرتے ہوئے قبر میں چلے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ جب مرید میں نماز اور نیاز مندی یکجا ہوتی ہے اس وقت انوار نماز کے ذریعہ مقام تفرّقہ سے نکل کر مقام جمع میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کا جسم کعبہ کے سامنے ہوتا ہے، اس کا دل عرش کے مقابل ہوتا ہے اور اس کا لطیفۂ سر اللہ رب العزت کے مشاہدے میں ہوتا ہے۔

جب نور ایمان مرید کو غلبۂ شوق میں عرش کے گرد جولانی کراتا ہے تو اس وقت اس کی قدر عرش والے کی جناب میں اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ بارگاہ قدس میں اعتکاف کرنے والے فرشتوں کو بھی ان کی طہارت ملکی کے باوجود وہ قدر حاصل نہیں ہوتی۔ اے بھائی! جب حضور نبی کریم ﷺ عبدیت کا کمر بند اپنی روح پاک پر لگا کے نماز کا تحریمہ باندھتے تو لوگ اس وقت آپ کا جسم دل کے مقام اور آپ کا دل روح کے مقام میں اور آپ کی روح سر کے مقام میں پہنچ جاتی اور سر رب ذوالجلال کے جلال کے مکاشفہ میں ہوتی۔ از روئے حقیقت آپ کا جسم مقام دنی میں، آپ کا دل مقام فتدلیٰ میں "آپ کی روح مقام قاب قوسین میں اور آپ کا سر مقام اوادنی میں ہوتا۔ معراج کی رات عرش پر جن مقامات کا کشف آپ کو ہوا تھا،

نماز میں ان سب اسرار کا مشاہدہ ہوتا۔ بے واسطہ کلام سنتے اور غیب کی باتوں سے مطلع ہوتے۔

جس وقت حضورؐ کے دل مبارک میں شوق کی آگ بھڑکتی اور آپ کا لطیفۂ سر طالب وصال ہوتا تو اس وقت آپ یوں نالہ و فریاد کرتے: یابلال ارحنا بالصلوٰة. (اے بلال نمازؔ سے مجھ کو راحت پہنچاؤ)۔ اے بلال میرا دل جل رہا ہے۔ جلد اذان دو، نماز کا سامان کرو تاکہ میرے دل کو راحت ملے۔

جانتے ہو ایسا کیوں تھا؟ سنو۔ نماز میں عاشقوں کا قبلہ دوست کا جمال باکمال ہوتا ہے؟ ان کا قبلہ نہ پتھر ہوتا ہے، نہ کعبہ اور نہ عرش۔ وہ مشتاق جن کے دل میں عشق کی آگ شعلہ زن رہتی ہے، وہ شوق و ذوق میں ایسی نمازیں ادا کرتے ہیں جس میں نہ رکوع ہوتا ہے نہ سجود۔ سارے عاشقوں کو ایک جیسا سمجھتے ہیں۔ نہ کسی کو کمتر سمجھتے ہیں نہ بہتر۔

در عشق نماز بے رکوع است و سجود
یکساں است در و مومن و ترسا و جھود

چوں قبلہ بجز جمال معشوق بنود
عشق آمد و محو کرد، ہر قبلہ کہ بود

(عشق کی نماز وہ نماز ہے جس میں نہ رکوع ہے نہ سجود۔ یہاں مومن، کافر اور یہود سب برابر ہیں۔ جب معشوق کے جمال باکمال کے سوا کوئی قبلہ نہیں تو عشق نے جتنے قبلے تھے سب کو مٹا دیا۔)

اے بھائی! نماز اس لئے ہے کہ اس میں مناجات کے لئے راہ کھلتی ہے۔ سب سے پہلے نمازی کے دل کو اللہ تعالی اپنی جانب کھینچتا

ہے۔ پھر اپنی بے نیازی کی ہیبت اس پر طاری کر دیتا ہے، یہاں تک کے اس کا جسم نماز میں ہوتا ہے۔ دل میں سوز و گداز ہوتا ہے اور اس کی روح راز و نیاز میں مشغول ہوتی ہے۔ اس کا حال اوہام بشری سے دور ہوتا ہے، اس کا قدم بساط قرب سے قریب ہوتا ہے۔ اس وقت وہ غیر کی طرف التفات نہیں کرتا، کسی دوسرے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اسی معنی کی طرف خواجۂ عالم رسول اکرم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے: لوعلم المصلی مع من ینا جی ماالتفت (اگر نماز پڑھنے والا یہ جان لے کہ کس کی بارگاہ میں مناجات کر رہا ہے تو ہرگز کسی کی طرف متوجہ نہ ہوگا) یہ نماز بھی عجیب نماز ہے۔ جو یہ عشاق ادا کرتے ہیں اس قسم کی نماز ادا کرنے والے حالت نماز میں فانی الصفت ہو جاتے ہیں اور جو فانی الصفت ہوا یعنی جس نے اپنی صفات کو فنا کر دیا ہے اس کی توجہ غیر کی طرف ہو یہ ممکن نہیں۔ دیکھو حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نماز میں مشغول تھے اور تیر ان کی ران سے کھینچ لیا گیا اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی کیونکہ مشاہدۂ محبوب میں ایسا استغراق تھے کہ فانی الصفت ہو چکے تھے۔ اور جو فانی الصفت ہو اس کو زخم والم کا کیا احساس ہوگا۔ اس پر تو اگر ساری اذیتوں کے ساتھ دوزخ کو ڈال دیا جائے تو کچھ خبر نہ ہو۔ اگر ساری نعمتوں کے ساتھ بہشت ایک لقمہ بنا کر ان کے منہ میں دے دیا جائے تو کچھ لذت محسوس نہ ہو۔

اے بھائی! لطف و کرم کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ آؤ، دوڑو اور جلدی کرو۔ اپنا حصہ لو۔ فیاض کا کرم عام ہے۔ اس کے یہاں مالک اور غلام' امیر اور غریب کی قید نہیں۔ جس وقت آفتاب

اپنے برج سے طلوع ہوتا ہے اگر سارے جہاں کے لوگ مل کر اور کمر ہمت باندھ کر اس بات کے لئے تیار ہوں کہ اس آفتاب سے کچھ روشنی ضرور لے لیں گے تو ہرگز نہیں لے سکتے۔ لیکن جس وقت وہ روشنی دینا چاہتا ہے اور جب کرم پر مائل ہوتا ہے تو اس وقت اس کی روشنی عام ہوتی ہے۔ وہ اگر بادشاہ کے محل میں ہوتی ہے تو فقیروں کی جھوپڑی اور درویشوں کے غم کدہ میں بھی ہوتی ہے۔ مٹی اور پانی کو نہ دیکھو بلکہ اس دولت گرانمایہ کو دیکھو جو **یحبھم ویحبونہ** (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ اس کو دوست رکھتے ہیں) میں اور **وسقٰھم ربھم شراباً طھورا**[۱] (اور ان کے پروردگار نے ان کو شراب طہور پلائی) میں رکھا گیا ہے۔ جو شرافت اور خلعت تم کو میسر ہے، مقرب فرشتوں کو بھی نصیب نہیں۔ فرشتے مقرب ہیں، معصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں، محبّ ہیں، روحانی ہیں، اس میں کیا شک ہے لیکن اس آب و گل کی بات ہی کچھ دوسری ہے۔

فائدہ — ۲۶

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ ارباب صدق کا قول ہے کہ جس طرح جسمانی قوت کا تعلق کھانے پینے سے ہے اسی طرح روحانی قوت کا انحصار بھوک و پیاس پر ہے۔ **الجوع طعام اللہ فی ارضہ** (اللہ کے لئے بھوکا اور پیاسا رہنا تو گویا زمین پر اللہ کی مہمانی کو قبول کرنا ہے۔)

جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بہت ساری صفات ہیں وہیں اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ **ھو یطعم ولا یطعم** (وہ کھلاتا ہے اور کھاتا

---

[۱] الدھر / ۲۱

نہیں)۔ جو بندہ اپنے اندر اللہ کی یہ صفت پیدا کرتا ہے اور خود کو اس صفت سے متصف بناتا ہے وہ ارباب عقل و دانش کے متفقہ فیصلہ کے مطابق مقام قرب سے قریب ہوتا ہے اور بشریت منازل و مراحل سے دور ہوتا ہے۔ روزہ دار **تخلقوا باخلاق الله** (اپنے کو اللہ کے اخلاق سے آراستہ کرو) کے حکم کے مطابق خود نہ کھا کر اور دوسروں کو کھلا کر محبوب کے صفات کو اختیار کرتا ہے، صفات بشریت سے بری ہو جاتا ہے، دولت خاص کے شرف سے شرف ہو جاتا ہے اور وہ دولت خاص جانتے ہو کیا ہے؟ **للصايم فرحتان فرحة عندالافطار وفرحة عند لقاء الجبار** (روزہ دار کے لئے دو خوشی ہے۔ ایک افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری اللہ تبارک و تعالیٰ کے دیدار کے وقت)۔ (افطار کے وقت جو فرحت و خوشی ملتی ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا یہ جسم جو مختلف عناصر سے مل کر بنا ہے طالب کے لئے سواری کی طرح ہے جو دوست کے راستہ میں لے جاتی ہے۔ جب فرمان آیا کہ **صوموا الرويته** (اس کے دیدا کے لئے روزہ رکھو) تو طالب نے جسم کی سواری کو کھانے پینے سے روک دیا۔ **وان الى ربك المنتهىٰ** (اور بے شک تمہارے رب ہی کی طرف انتہا ہے) کے لئے چل پڑا۔ راستہ طےَ کرنے لگا۔ جب ایک منزل طےَ ہوئی مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ سواری کا گھوڑا تھک گیا۔ اس وقت روزہ دار نے افطار کیا۔ گھوڑے کو بھی دانہ پانی مل گیا۔ سواری اور سواری دونوں کو جو قوت روزی ملی، طاقت پہنچی اس سے خوشی و مسرّت محسوس ہوئی اور ایسی خوشی حاصل ہوئی جس کے مقابلہ میں ساری خوشیاں رنج و غم کے برابر ہیں اور دوسری فرحت و خوشی اس کو کون بیان کر سکتا ہے۔

اس لئے کہ یہ فرحت ذوق سے تعلق رکھتی ہے۔ **من لم یذق لم یعرف** (جس نے چکھا نہیں اس نے جانا نہیں)۔

"کشف المحجوب" میں آیا ہے کہ روزہ جسم کے لئے بلا ہے۔ دل کے لئے صفائی ہے، روح کے لئے محبت ہے اور سر کے لئے لقا ہے۔ جب دل کو صفائی حاصل ہو گی، رُوح کو محبت مل گئی سر نے دیدار کی نعمت پالی۔ اور اگر جسم کو تکلیف سے گذرنا پڑا تو اس میں کیا مصائقہ ہے اور کیا نقصان ہے اس معنی کی طرف حضرت رسالت مآب ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ حاکیاعن اللہ تعالی **کل عمل ابن آدم یضاعف الی سبعین الا الصوم فانه لی وانا اجزی به.** اللہ تعالی فرماتا ہے کہ انسان کے تمام اعمال میں بدلہ دیتے وقت اضافہ کیا جاتا ہے ایک سے ستر گونہ تک۔ لیکن روزہ ایسا عمل ہے کہ جو خاص میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ میں دوں گا۔ کیا بات کہی ہے: **الاالصوم فانه لی وانا اجزی به**۔ ذرا بارگاہ عزت پر نظر کرو اور انسان کی قدر و منزلت کا معائنہ کرو۔ اگر یہ کہا جاتا کہ تیری حقیقت ہی کیا ہے؟ تو تو میرے در کا کتا ہے تو یہ ایسی نوازش ہوتی ہے کہ دولت رکھنے کی جگہ نہ ملتی۔ چہ جائے کہ بادشاہ عالم جل جلالہ روزہ دار سے یہ کہے کہ تو میرے لئے ہے اور تیری جزا میری لقا اور میرا دیدار ہے۔ جیسا کہ شہیدان محبت کے لئے یوں بشارت دی گئی: **من قتلته محبتی فد یته رویتی** (جو میری محبت میں قتل ہوا اس کا فدیہ میری لقا ہے)۔

اے بھائی! جانتے ہو روزہ کیا ہے؟ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے چوپایوں اور درندوں کی خصلت و نجاست انسان سے دور ہوتی ہے۔ دل میں صفائی پیدا ہوتی ہے، لطیفۂ سر سے اس قسم کی ظلمتیں زائل ہو جاتی

ہیں۔ اس لئے روزہ کو ایک بہت بڑی دولت سمجھو گروہ صوفیا کے درمیان یہ بات مشہور و معروف ہے کہ جب یہ حضرات لطیفۂ سر کے ذریعہ کلام خداندی سننا چاہتے ہیں تو چالیس روز تک بھوکے رہتے ہیں۔ جب تیس روز گذار لیتے ہیں تو مسواک کرتے ہیں اس کے بعد پھر دس روز تک روزہ رکھ لیتے ہیں۔ پھر تو خداوند جل وعلا یقیناً ان کے لطیفۂ سر سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ انبیاء کے لئے جو ظاہر اًروا ہے وہ اولیا کے لئے بزریعہ اسرار روا ہے۔ (یعنی انبیا کو جو باتیں ظاہری طور پر حاصل ہوتی ہیں، اولیا کو وہ باتیں باطنی طور پر حاصل ہوتی ہیں۔)

اے بھائی! اس کے نوازش و کرم کا دروازہ کھلا ہے۔ نعمتوں کا دستر خوان بچھا ہے۔ تم سمجھتے ہو گے کہ تمہارے نہیں کھانے سے نعمتیں اسی طرح جمع رہیں گی۔ کم نہیں ہوں گی، خرچ نہیں ہوں گی اور کھانے سے خرچ ہو جائیں گی۔ سنو، نہیں کھانے کا فائدہ ہی دوسرا ہے۔ جب تم کھانے میں لگے رہتے ہو تو ہو رب ذوالجلال تم کو تمہاری خودی کے ساتھ مشغول کر دیتا ہے اور جب تم اپنی خودی کے ساتھ مشغول ہوتے ہو تو اس حال میں اپنے آپ کے ساتھ موجود ہوتے ہو۔ اور جو اپنے آپ میں موجود ہوتا ہے وہ محبوب سے حجاب اور پردہ میں ہو جاتا ہے۔ اور بھوکے رہنے سے حضوری حاصل ہوتی ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ شکم سیر ہو کر حجاب اور پردہ میں رہنا بہتر ہے یا بھوکے رہ کر حضوری کی دولت سے مشرف ہونا افضل ہے؟ حاصل کلام یہ ہے کہ مرید کو وہی کرنا چاہیئے جو کسی محقق نے کہا ہے کہ **الدنیا یومٌ ولنا فیه صوم** (دنیا ایک دن ہے اور اس میں ہمارے لئے ایک روزہ ہے) اور کسی دوسرے نے کہا ہے: (**صم عن الدنیا واجعل فطرك الموت** (دنیا سے روزہ رکھ لو اور موت سے افطار کرو)۔

فائدہ —— ۲۷

اے بھائی! اگر تم گروہ صوفیا کے اسرار و رموز اور اشارات کو سمجھنا چاہتے ہو اور ان کے احوال کو دیکھنا چاہتے ہو تو پورے اطمینان و تشفی کے ساتھ ان اشعار کو سنو اور پڑھو:

ابیات

نمی دانم کرامانم بدیں سیرت گرفتارم
نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

(مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا ہوں۔ میری سیرت تو ایسی ہے کہ نہ میں ہندو ہوں نہ مسلم ہوں، نہ مرتد ہوں اور نہ بدکار ہی ہوں۔)

خلق می گوید بروزُنّاد بندای بت پرست
در تن خسرو کدا میں رگ کہ آں زنار نیست

(لوگ کہتے ہیں کہ اے بت پرست جا، زنار باندھلے۔ معاملہ تو یہ ہے کہ خسرو کے جسم کی کون سی رگ ہے جو زنار نہیں ہے۔)

سودہ گشت از سجدہ راہ بتاں پیشانیم
چند خود را تہمت دیِن مسلمانی نہم

(بتوں کے آگے سجدہ کرتے کرتے میری پیشانی گھس گئی ہے اسی حالت میں میں اپنے اوپر مسلمان ہونے کی تہمت کب تک لگاتا رہوں۔)

گر کعبہ ازو بوئے ندارد کنش است
بابوئے وصال او کنش کعبۂ ماست

(اگر کعبہ میں اس کی خوشبو نہیں تو ایسا کعبہ بت خانہ ہے اور جس بت خانہ میں اس کی خوشبو ہے وہی میرے لئے کعبہ ہے۔)

بی وصال تو جاں چہ کار آید
بی جمالت جہاں چہ کار آید

(تیرے وصال کے بغیر یہ جان کس کام کی ہے اور اگر تیرا جمال نہ ہو تو دنیا کا کیا حاصل۔)

اگر حاصل شود آں گلرخ ولب جوی میگونش
چہ بی حاصل کسے باشدٗ دگر باغ جنان خواہد

(اگر نہر کے کنارے وہ گلابی رخسار والا محبوب تم کو حاصل ہے تو پھر جنت کے باغ کی خواہش لا حاصل اور بیکار ہے۔)

مجنون عشق را دگر امروز حالت است
کہ اسلام دین لیلیٰ و دیگر ضلالت است

(عشق کے دیوانوں کی حالت ہی دوسری ہے۔ ان کے نزدیک لیلیٰ ہی کا دین اسلام ہے، باقی جو کچھ ہے وہ سب کچھ گمراہی ہے۔)

مئے از کف دوست ہر نفسی می نوشند
سر می بازند و سر حق می پوشند

(دوست کے ہاتھ سے ہر وقت شراب پیتے ہیں، حق کے راز کو چھپاتے ہیں اور اس میں سر کی بازی لگا دیتے ہیں۔)

دین ما روئے جمال آں بت جانانہ است
کفر ما از ابرو وزلف سیہ ترکانہ است

(ہمارا دین اس محبوب و معشوق کے رخ کا جمال ہے اور ہمارا کفر اس کی سیاہ بھویں اور کالی زلفیں ہیں۔)

از جمال خدوخالش عقل ما دیوانہ است
از شراب عشق ایں ہر دو ہمیں پیمانہ است

(اس کے خدوخال کے حسن و جمال سے میری عقل خبط ہے اور یہ خدوخال دونوں ہی اس کے عشق کی شراب کے لئے پیمانہ ہیں۔)

روح ماچوں آن نست و قلب ما بتخانہ است
ہر کرا ملت نہ ایں است او زما بیگانہ است
(ہماری روح جب آپ کی آن ہے تو ہمارا قلب بتخانہ ہے اور جس کا یہ مذہب نہیں وہ ہم سے بیگانہ ہے۔)

از جام او مچش کہ دراں جام زہر ہاست
گلبرگ او مبوی کہ دراں زیر خار ہاست
(اس کے جام کو منہ نہ لگاؤ اس لئے کہ اس میں سراسر زہر ہے اور اس کے پھول کی پتیوں کو نہ سونگھو اس لئے کہ ان پتیوں کے نیچے کانٹے چھپے ہوئے ہیں۔)

قومی متحیر اند در راہ یقیں
قومیت دگر بماندہ اندر غم دیں
(کچھ لوگ ہیں جو یقین کے راستہ میں محو حیرت ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو دین کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔)

می ترسم ازاں بانگ برآید روزے
کای بیخبراں راہ نہ آنست ونہ این
(میں تو اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں کسی روز یہ آواز نہ آجائے کہ اے بے خبر اصل راہ نہ وہ ہے نہ یہ ہے۔)

مور مسکیں ہوسے داشت کہ درکعبہ رسد
دست دریائے کبوتر زد وناگاہ رسید
(کمزور و نحیف چیونٹی کو کعبہ جانے کی تڑپ تھی۔ وہ کبوتر کے پاؤں سے لپٹ گئی اور اچانک پہنچ گئی۔)

برہمن رابت اندرخانہ باشد من بترزویم
کہ سر پوشیدہ اندردل بدکیش می باشد
(برہمن کے گھر میں بت ہوتا ہے۔ میں تو اس سے بھی بدتر

ہوں کہ میرے بدکیش دل میں نفس کا بت سر چھپائے ہوئے ہے۔)

پوشیدہ بسے خدمت بت کردم وزیں لبس
زنار ہوس می کندم از توچہ پوشم

(چھپ کر بتوں کی خدمت کرتا رہا، ہوس کا زنار گلے میں ڈالے رہا، تجھ سے کیا چھپاؤں۔)

در کوئے بتاں رفتْ ہمہ عمر دریغا
چوں برہمن پیر بہ بتخانہ بماندیم

(ہائے افسوس! بتوں کی گلیوں میں ساری عمر گذار دی اور بوڑھے برہمن کی طرح بت خانہ میں رہ گیا۔)

تو گرخود راہمی دانی مسلماں گوید آں یاری
مرا نزدیک شدکز دست تو زنار می بندم

(اے دوست! اگر تو اپنے کو مسلمان سمجھتا ہے تو اپنے کو مسلمان کہہ لے لیکن مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تیرے ہاتھ میں زنار بندھوادوں۔)

صوفی وسبز پوش شدو شیخ چلہ دار
ایں جملہ شدی ولی مسلماں نشدی

(تم صوفی بھی بن گئے، سبز پوش بھی ہو گئے اور چلہ کش شیخ بھی ٹھہرے سب کچھ ہوئے لیکن افسوس مسلمان نہ ہوئے۔)

زیں گونہ کہ حالٗ ناپسندیدہ ماست
حسن رخ تو چہ لائق دیدۂ ماست

(میرا حال اس درجہ ناپسندیدہ ہے کہ میری آنکھیں تیرے رخ انور کے حسن وجمال کو کیسے دیکھ سکتی ہیں۔)

شب رفت و حدیث ماپایاں نرسید
شب راچہ گنہ حدیث مابود دراز

(رات گذر گئی، میرا قصہ پورا نہ ہوا۔ اس میں رات کا کوئی قصور نہیں۔ میرا قصہ ہی اتنا طویل ہے کہ رات بھر میں پورا نہیں ہو سکتا۔)

صف عاشقاں است اینجامدہ ای فقیہہ پندم
کہ بشہر بت پرستاں نتواں نماز کر دن

(اے فقیہہ یہ عاشقوں کی جماعت ہے یہاں پند و نصیحت نہ کر۔ بت پرستوں کے شہر میں کہیں نماز ہوتی ہے!)

زد رد دیں ہمہ پیران رہ را
محاسن ہا نجون دل خصاب ست

(اس راہ کے بزرگوں کو دین کا درد اس درجہ ہوتا ہے کہ ان کی ریش مبارک میں خون دل کا خضاب لگ جاتا ہے۔)

ہمہ مردان دین رازیں مصیبت
جگر ہا تشنہ ودلہا کباب ست

(اس مصیبت سے تمام دیندار مردوں کا جگر پیاس سے تڑپ رہا ہے اور دل کباب ہو رہا ہے۔)

گر فضل کنی یقین برسیتم ہمہ
در عدل کنی وای بر سوائی ما

(اگر تیرا فضل ہو جائے تو یقیناً نجات ہی نجات ہے اور اگر تو نے عدل سے کام لیا تو پھر رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں۔)

مست چہ خسپی کہ کمیں کردہ اند
کار شناساں نہ چنیں کردہ اند

(تو مست ہو کر کیا سو رہا، معلوم نہیں کہ گھات لگی ہے۔ جو ان معاملات سے واقف ہوتے ہیں وہ ایسا نہیں کرتے۔)

چوں نہ بینم من جمالت صد جہاں خود دیدہ گیر
چوں حدیث تو نباشد سر بہ سر بشنیدہ گیر

(میں تیرا حسن و جمال کیوں نہ دیکھوں جب کہ سیکڑوں جہاں نے خود تجھے دیکھا ہے۔ میں تیری باتیں کیوں نہ سنوں جب کہ سب نے سنی ہیں۔)

فائدہ — ۲۸

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ شریعت کا حکم ہے **اطلبو العلم ولو بالصین** (علم حاصل کرو اگر چہ علم چین میں ہو) اور آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ **اطلبوا الدنیا ولو بالصین** (دنیا حاصل کرو اگر چہ وہ چین میں ہو)۔ کل قیامت کے دن جب سوال ہو گا کہ **طلب العلم فریضة** (علم کا حاصل کرنا فرض ہے) کا پیغام پہنچا تھا اور اس کے باوجود تم نے علم حاصل کیوں نہیں کیا تو معلوم نہیں اس وقت ہم لوگ کیا جواب دیں گے۔ اگر کہیں گے کہ بیوی بچوں کے غم نے اور کھانے پینے کی فکر نے موقع نہیں دیا، فرصت نہیں ملی اور یہ عذر قبول ہو گیا تب تو چھٹکارا ہے اور اس وقت مرحبا مرحبا ہے۔

اے بھائی! علم کے بغیر عمل ممکن نہیں اور مفید نہیں اس طرح مقصود کا حصول بھی بغیر عمل کے ممکن نہیں۔ اسی لئے علم کا حاصل کرنا فرض ہو گیا اور اے بھائی! یہ بھی سمجھ لو کہ اس علم سے مراد وہ علم نہیں جو تمہیں بادشاہوں کے دربار میں پہنچا دے یا تمہیں قاضی و مفتی بنا دے۔ اس علم سے علم آخرت مراد ہے اور وہ علم مراد ہے جو تمہیں راہ حق پر لے جائے۔ میں نے یہ بات تمہیں اس لئے بتادی تاکہ کسی غلطی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اپنے کو علمائے دنیا سے دور رکھو جس طرح شیطان سے دور رہتے ہو۔ سنو۔ ایک بزرگ نے شیطان کو دیکھا کہ بیکار بیٹھا ہے۔ اس نے کہا: اب

علمائے دنیا پیدا ہو گئے ہیں اس لئے اب میری ضرورت نہیں رہی (یعنی میرا کام علمائے دنیا کر رہے ہیں)

تمہیں معلوم ہو کہ انسان کے معاملات دو طرح کے ہیں ایک تو وہ جو تجھے خدا تک پہنچا دے اور وہ طاعت ہی طاعت ہے اور دوسرا وہ جو تجھے خدا سے دور کر دے اور وہ معصیت ہی معصیت ہے۔ دونوں کا علم حاصل کرنا لوگوں پر فرض عین ہے اور سب سے اہم کام ہے۔ حصول علم کے بعد اگر آدمی تھوڑا عمل بھی کرے گا تو وہ خدا کے نزدیک بہت زیادہ سمجھا جائیگا۔ اور اگر علم کے بغیر بہت زیادہ عمل بھی کیا جائے گا تو اللہ کے نزدیک وہ بہت کم ہی ہو گا، بلکہ ھباء منثورا (بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو گا)۔

علم نر آمد و عمل مادہ — دین و دولت بدوشد آمادہ
کار بے علم بارور ندھد — تخم بے مغز ہم ثمر ندھد

(علم نر ہے، عمل مادہ ہے اور دین و دولت اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح بغیر بیج کے پھل نہیں ہوتا اسی طرح بغیر علم کے عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا)۔

تم نے تو یہ پڑھا ہو گا: **فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملاً صالحًا ولا یشرك بعبادة ربه احدا**[1] (جو شخص اپنے پروردگار کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔)

عمل صالح، عدم شرک کے ساتھ شرط ہے اور تم یہ جانتے ہو کہ مشروط کا وجود بغیر شرط کے محال ہے۔ اسی طرح مقصود کا وصال بھی بغیر عمل کے محال ہے۔ یہاں تمام سالکان سر پر خاک ڈالتے ہیں اور اپنی مصیبت پر خود ماتم کرتے ہیں۔ ہمیں اور تمہیں تو یہ

---

[1] الکہف/۲۸۶ (آخر)

غم دامن گیر ہے کہ کھائیں گے کیا، پہنیں گے کیا؟ ان اللہ خلق للحرب رجالاو للقصعد والثرید رجالا (بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو میدان جنگ کے لئے پیدا کیا ہے اور کچھ کو ثرید و پیالہ کے لئے)۔ مردوں کی راہ دوسری ہے اور مخنثوں کی دوسری۔

اب تم بھی جان لو کہ آخرت کا یہ علم مشائخ طریقت اور علمائے آخرت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہمیشہ خدمت کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے اور یہ حضرات ہم بداقبالوں کے زمانہ میں کبریت احمر یعنی سرخ گندھک ہوگئے ہیں۔ ایسے میں کیا کروگے؟ بس یہی کرنا ہے کہ جو مکتوبات تم کو بھیجے گئے ہیں ان میں سے ایک دو مکتوب روزانہ غور و فکر کے ساتھ مطالعہ میں رکھو اور اگر تنہائی میں ہو تو بہتر ہے، اور یہ شعر پڑھو ؎

گر تنگ شکر خرید می نتوانم
بارے مگس از تنگ شکر می رانم

(اگر میں شکر کے بورے نہیں خرید سکتا تو اتنا تو کر سکتا ہوں کہ شکر کے بورے سے مکھیاں ہکاؤں۔)

اے بھائی! اس راہ میں یہی دو اصل کام ہیں، اسے تھوڑا نہ سمجھو۔ پورے ہوش سے سنو اور جہاں تک ہو سکے عمل کرو۔ ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اعضا کو گناہوں کی نجاست سے پاک رکھو۔ دوسرے یہ کہ دل کو صفات مذمومہ کی گندگیوں سے پاک رکھو۔ جب یہ دونوں پاکی یعنی ظاہری اور باطنی طہارت حاصل ہو گئی تو اس وقت ملک و ملکوت کے اسرار تم پر کھول دیئے گئے، تم نے شربت فری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض (اسی طرح ہم نے دکھلائے ابراہیم کو زمین و آسمان کے اسرار) نوش کرلیا۔ اور ان اللہ طیب لا یقبل الاالطیب (بے شک

اللہ پاک ہے اور صرف پاکی کو قبول فرماتا ہے) کی خلعت زیب تن کرلی۔ دوست کا دروازہ سامنے میں کھلا ہوا ہے۔ عمل کی ضرورت ہے۔ جس کو موقع ہے وہ پی لے۔ جس نے بھی کہا ہے سچ کہا ہے:

جہاں پر از آفتاب و دیدہ ھاکور
جہاں پر از حدیث و گوش ھاکر

(دنیا آفتاب جہاں تاب کی روشنی سے چمک رہا ہے لیکن آنکھیں اندھی ہیں۔ ساری دنیا میں اسی کا تذکرہ ہے مگر کان بہرے ہیں۔)

اگر تم کام میں لگے رہے تو ایک دن اپنی خوش نصیبی سے اس مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں دوسرے لوگ پہنچے ہیں۔ تم بھی وہ سب کچھ دیکھو گے جو دوسروں نے دیکھا ہے اور تم بھی وہی کہنے لگو گے جو دوسروں نے کہا ہے۔ جس نے بھی یہ کہا ہے خوب کہا ہے ؎

معشوق عیاں بود نمی دانستم
با من بمیان بود نمی دانستم

(میرا معشوق سامنے تھا اور مجھے کچھ خبر نہیں۔ وہ تو میرے ساتھ ہی تھا اور مجھے کچھ معلوم نہیں)۔

قابل تعریف ہے وہ ہمت جو ایک دن میں ستر بار طلب کی کمند عرش کے کنگرہ پر ڈالتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اپنی دو روٹیوں کی فکر میں محدود ہو کر رہ گیا۔ ایسے ہی شخص کے لئے یہ شعر ہے ؎

سگ چو مردار یافت جاں شمرد
خرچو جو یافت زعفران شمرد

(کتے کو مردار مل گیا، سمجھا کہ جاندار مل گیا۔ گدھے کو جو مل گیا اس نے اس کو زعفران سمجھ لیا۔)

اے بھائی! آج ہر شخص نے فاسد خیالی پر بھروسہ کرلیا ہے

اور بدگمانی سے خوش ہو رہا ہے۔ اگر دین اتنا آسان ہوتا جتنا لوگو
ں نے سمجھ رکھا ہے تو انبیا اور اولیا کا پتہ پانی نہیں ہوتا، مردوں کے
دل کباب نہیں ہوتے۔ اے بھائی! تم کو مردوں کے حال کی کیا خبر۔
دن رات اسی حسرت میں جلتے رہو اور اگر ہو سکے تو خود کو ان کی
جوتیوں کی خدمت میں پہنچا دو۔ یہ بہت بڑا کام ہے۔ من احب قوما
حشر معھم (جو جس سے محبت کرتا ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ
ہوتا ہے)۔ یہ کوئی معمولی دولت نہیں۔

اے بھائی! انبیا کی جوتیوں کے سایۂ دولت میں رہ کر خدا تک
رسائی ہو سکتی ہے یا پھر بزرگوں کی جوتیوں کے سایہ دولت میں رہ کر
خدا تک پہنچ سکتے ہو۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کی کیا بات کی
جائے۔ ہوشیار رہو۔ اگر کسی کے اندر خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسری
چیز کے لئے ہمت ہے چاہے وہ فردوس اعلیٰ کی ناز و نعمت ہی کیوں نہ
ہوں تو ایسے شخص کو مردوں کی روش سے دور سمجھو۔ جانتے ہو
مردوں کی راہ کیا ہے؟ ایک شاعر کی زبانی سنو۔

جز وصل تو ام حرام بادا
حاجت کہ بخواہم از خدا من

(تیرے وصال کے علاوہ اگر میں خدا سے کوئی دوسری
حاجت چاہوں تو وہ پوری نہ ہو۔)

گرم باصالحاں بیدوست فردا در بہشت آرند
ہماں بہتر کہ در دوزخ کنندم باگنہ گاراں

(اگر کل قیامت کے دن بغیر دوست کے مجھ کو صالح بندوں کے
ساتھ بہشت میں داخل کریں تو میرے لئے اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ
مجھ کو گنہگاروں کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیں۔)

اے بھائی! بہشت میں کھانا پینا اور حور و قصور ہوں گے۔ یہ تو مشہور ہے اور سارا جہاں اس کی طلب کر رہا ہے لیکن جانتے ہو مردوں کی بہشت کیا ہے؟ ان للّٰہ جنتة لیس فیھا حور و قصور (اللہ کے پاس ایسی جنت ہے جس میں حور و قصور کا سوال ہی نہیں)۔ وہ جنت تو ایسی ہے جہاں یتجلی ربنا ضاحکا. (ہمارا رب مسکراتے ہوئے تجلی فرماتا ہے) اسی بات کو کسی نے کہا ہے ؎

دیگراں را وعدہ گر فردا بود
لیک ما را نقد ہم اینجا بود

(دوسروں کے لئے قیامت کے دن کا وعدہ ہے۔ لیکن مجھے تو آج ہی نقد حاصل ہے) سمجھ لو کہ عالم محبت کا معاملہ ہی دوسرا ہے اور اہل محبت کی جماعت ہی دوسری ہے۔ یہاں انتظار کی طاقت کہاں۔ جس چیز کا وعدہ ہے اس کو ابھی اور یہیں لینا چاہتے ہیں اور عشق کے نشہ میں یہی کہتے ہیں ؎

یا مراد من بدہ یا فارغم کن از مراد
وعدۂ فردا رہا کن یا چناں کن یا چنیں

(یا تو میری مراد پوری کردے یا مجھے مراد سے فارغ کردے، کل کا وعدہ چھوڑ دے یا تو ویسا کردے یا پھر ایسا ہی کردے۔)

اے بھائی! حضرت رابعہ بصریؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ بہشت کی طلب کیوں نہیں کرتیں؟ فرمایا: الجار ثم الدار (پہلے پڑوسی پھر گھر)۔ ذرا ان کی ہمت تو دیکھو اور اپنے جبہ و دستار پر ماتم کرو اور یہ بھی سمجھ لو کہ تم حقیقتاً نہ مرد ہو نہ عورت ' پھر بتاؤ آخر ہو کیا؟ ایک دفعہ حضرت امام شبلیؒ غائب ہوگئے۔ مریدان کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ مخنثوں کا لباس پہن کر مخنثوں کے درمیان بیٹھے ہیں۔ مرید سر پیٹنے لگے اور فریاد کرنے لگے کہ اے حضور! آپ تو اپنے زمانے کے

مقتدا ہیں آپ نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ فرمایا کہ جب میں نے اپنے اوپر غور کیا تو یہ پایا کہ میں صورتاً عورت بھی نہیں ہوں اور معناً مرد بھی نہیں ہوں۔ تو پھر کیا ہوں؟ مخنث ہوں اور مخنث کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ مخنثوں کے ساتھ رہے۔

بھائی! یہ حضرات کچھ اور ہی لوگ ہیں۔ انہیں کو سلطان ہمت کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات جو کچھ کرتے ہیں خالصاً اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ ان کی نماز، ان کی عبادت، ان کا جینا اور ان کا مرنا صرف پروردگار عالم کے لئے ہوتا ہے۔ ان صلاتی و نسکی و محیائی و مماتی للہ رب العلمین ان کی صفات میں داخل ہے۔ اس کا جلوہ دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ لو کہ اس وقت تک دنیا میں قدم نہیں رکھتے اور آخرت کا رخ نہیں کرتے جب تک اپنے محبوب کی بارگاہ سے انتم اولیائی حقاً (حقیقت میں تم ہی میرے دوست ہو) کی خوشخبری نہیں سن لیتے۔ جس نے بھی کہا ہے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مارا بجز ایں جہاں جہانے دیگر است
جز دوزخ و فردوس مکانے دیگر است

(اس جہاں کے علاوہ میرے لئے ایک دوسرا ہی جہان ہے اور وہ ایسی جگہ جو بہشت و دوزخ کے علاوہ ہے۔)

سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہ مردان راہ ایسے ہیں جن کے بارے میں جہاں تک کہا جائے اور جو کچھ لکھا جائے اس کو اتھاہ سمندر کا ایک قطرہ ہی سمجھو۔ ہم کو اور تم کو اور ہمارے جیسے لوگوں کو اس جماعت سے حصہ میں یہی ملا ہے کہ لکھتے اور پڑھتے رہیں اور کیا کر سکتے ہیں۔

عشق آمدنی بود نہ آموختنی
(عشق تو خود بخود پیدا ہوتا ہے، یہ سکھانے کی چیز نہیں۔)

فائدہ — ۲۹

اے بھائی! تمہیں معلوم ہو کہ بہشت جو مخلوق ہے وہ دنیا کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی ہے تو پھر بہشت کے خالق کو دنیا میں ملوث رہتے ہوئے کیسے پا سکتے ہو؟ یہ تو محال ہی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ترك الدنيا راس كل عبادة (دنیا کا ترک کرنا یہی ساری عبادتوں کا راز ہے)۔ چونکہ دنیا مخلوق کو خالق سے محجوب کر دیتی ہے اسی لئے اس پر لعنت کا داغ لگا دیا گیا ہے۔ الدنيا ملعونة و مافيها دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ ملعون ہے۔ لیکن دیکھو یہاں پر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اور یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ دنیا ہے اور یہ دنیا بقدر ضرورت ملعون نہیں ہے ہاں! اگر کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ دنیا ہے اور وہ نیکی اور خیر میں صرف کرتا ہے تو یہ بھی ملعون نہیں ہے لیکن اگر کسی کے پاس دنیا ہے اور اس کو وہ خواہشات نفسانی پر خرچ کرتا ہے، عیش و عشرت میں صرف کرتا ہے یا جمع کر کے رکھتا ہے تو وہ ملعون ہے۔

اے بھائی! اللہ کی نظر میں بندہ کے دل کی قدر ہے، اس کے ظاہر کی کوئی قدر نہیں۔ اگر بندہ کا ظاہر دنیا میں مشغول ہے تو اس کی چاہیئے کہ دل جو منظور حق ہے اس کو دنیا کی محبت سے خالی رکھے، دنیا کی محبت دل کی آنکھ کے لئے گرد و غبار کی طرح ہے اور جب دل کی آنکھ گرد آلود ہو جائے گی تو بصیرت ختم ہو جائے گی اور آخرت کے احوال اس کو نظر نہیں آئیں گے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام صلوۃ اللہ علیہم تشریف لائے اور سب نے یہی کہا: حب الدنيا راس

کل خطیئة (دنیا کی محبت تمام برائیوں کی اصل ہے)۔ یہ نہیں کہا گیا کہ ملک دنیا تمام برائیوں کی اصل ہے اور یہ بھی معلوم رہے کہ محبت کی جگہ دل ہوتی ہے نہ کہ ہاتھ۔ اگر ساری دنیا کسی کے قبضہ میں ہے، اس کے پاس ہے، اور اس کی محبت دل میں نہیں ہے بلکہ طاعت و عبادت اور نیکیوں پر دنیا کو خرچ کر رہا ہے تو پھر خوف کی کوئی بات نہیں ۔ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں تمہیں نہیں معلوم؟ ساری دنیا بلا شرکت غیرے ان کے قبضہ میں تھی۔ جن وانس اور شیاطین سب ان کی فرمانبرداری میں تھے۔ مشرق سے مغرب تک ان ہی کی بادشاہت تھی لیکن اتنی بڑی حکومت و سلطنت کے باوجود دنیا کی محبت ان کے دل میں نہیں تھی۔ اس لئے دنیا ہوتے ہوئے بھی ان کے پاس نہیں تھی۔ تھیلی بنتے اور اسی کو بیچ کر جو کی دو روٹی مول لیتے، مسکینوں کے ساتھ بیٹھ کر افطار کر لیتے۔ لیکن اگر دل میں دنیا کی محبت اور اس کی طلب ہے تو گویا سب کچھ دنیا ہی ہے جس دل میں دنیا کی محبت بسی ہوئی ہے وہ دل تباہ و برباد ہے۔ اور خراب گھر کو جب ہم اور تم پسند نہیں کرتے تو پھر ویسا دل خدا کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟

کسی زمانہ میں ایک عالم تھے جن کو چار سو صندوق کتابیں یاد تھیں۔ علم پھیلانے اور طاعت کے سوا ان کا کوئی دوسرا کام نہ تھا لیکن دنیا کی محبت سے ان کا دل آلودہ تھا۔ اس وقت جو پیغمبر تھے ان کے پاس وحی آئی کہ اس عالم سے کہہ دیجئے کہ دن رات علم میں لگے رہو طاعت میں وقت گزارتے رہو اور چار سو صندوق کتابیں اپنی یاداشت میں محفوظ کر لو مگر اس سے کچھ فائدہ ہونے والا نہیں اس لئے کہ تمہارا دل دنیا کی محبت سے آلودہ ہے۔ تمہارا عمل قابل قبول

نہیں ہوگا۔ جس نے بھی کہا ہے کیا خوب کہا ہے ؎

صد جہان علم با معنی بہم
دوزخ آرد باز با دنیا بہم

(اگر علم کے سینکڑوں جہان معنی کے ساتھ حاصل ہوں اور اس کے ساتھ دنیا بھی لگی ہوئی ہو تو سمجھ لو کہ وہ دوزخ ہے)۔

چوں زدل دنیات دور افگندہ نیست
جائی تو جز دوزخ سوزندہ نیست

(چوں کہ تمہارے دل سے دنیا دور نہیں ہوئی ہے اس لئے تمہاری جگہ آتشِ دوزخ کے سوا اور کہیں نہیں۔)

اے بھائی! معاملہ بہت مشکل ہے اور ہم لوگوں کے زمانے میں جو طرح طرح کے فتنے ہیں ان کو کیا بیان کیا جاسکتا ہے! اگر کوئی کافر طبیب ہم سے یہ کہے کہ فلاں چیز نہ کھاؤ، تمہارے لئے نقصان دہ ہے تو ہم اس چیز کو اسی وقت چھوڑ دیتے ہیں اور نہیں کھاتے ہیں لیکن ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام صلوٰۃ اللہ علیہم آئے اور سب نے یہی کہا ہے کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے تو ہم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کافر طبیب کی بات پر ہم کو یقین ہے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی بات پر یقین نہیں۔ کیا یہی ایمان ہے اور اسی کو مسلمان کہتے ہیں ؎

ترک دنیا گیر تا دنیت بود
آں بدہ از دست تا انیت بود

(دنیا کو چھوڑ دو تا کہ تمہیں دین حاصل ہو جائے، اس کو ہاتھ سے دے دو تا کہ اس کو پالو۔)

اے بھائی! یہ بات طے ہے کہ مومن ہو یا کافر، مخلص ہو یا منافق سب اس پر متفق ہیں کہ یہ دنیا بری جگہ ہے۔ فتنوں اور بلاؤں کی

آماجگاہ ہے۔ فرعون اور نمرود نے اسی دنیا میں مبتلا ہو کر خدائی کا دعویٰ کر دیا اور آج اولاد آدم کی جو خرابیاں نظر آرہی ہیں وہ اسی دنیا کی وجہ سے ہیں۔ بزرگوں نے اس دنیا کو آدم کا پائخانہ لکھا ہے۔ پائخانہ سے لذت و نعمت، راحت و ذوق کی امید کیا معنی رکھتی ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح پائخانہ میں رہتے ہیں یعنی ضرورت کے مطابق پائخانہ میں رہنا ہے، وہ بھی کراہیت نفرت اور ناخوشی کے ساتھ، رغبت اور خوشی کے ساتھ نہیں۔ دنیا کا حال کیا بتایا جائے 'بس سمجھ لو کہ سراسر براہی برا ہے۔ اس کی آفت اور بلائیں اتنی ہیں کہ اگر ان کو تحریر میں لایا جائے تو جلد کی جلد سیاہ ہو جائیں اور اس پر بھی پوری نہ ہوں۔

اے بھائی! ان ساری برائیوں کے باوجود اس میں ایک اچھائی بھی ہے، وہ یہ کہ آخرت کی کھیتی ہے۔ آج اس میں تخم ریزی کیجئے اور آخرت میں فصل لیجئے۔ نیک بختوں اور خوش نصیبوں کے لئے مقام شکر ہے۔ اے بھائی! تم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ کئی آنے والوں نے آں برادر کے متعلق اسی طرح نشاندہی کی۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت میں اور اضافہ فرمائے۔ حضور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ نعم المال الصالح للرجل الصالح (صالح آدمی کا مال کیا ہی بہتر مال ہے)۔ یہ شاید تمہارے ہی متعلق ہے۔ ایسی دنیا جو آخرت کی کھیتی بن جائے اس حدیث کی روشنی میں وہ دنیا ہی نہیں ہے۔

اے بھائی! جہاں تک تم سے ہو سکے اپنے ہاتھ، زبان، قلم، کاغذ اور نقد و جنس سے اس آخرت کی کھیتی میں کاشتکاری کر لو۔ اگر کفن کے لئے بھی کچھ نہ بچے تو کوئی فکر کی بات نہ ہو۔ اس شعر میں اس

بات کی طرف اشارہ ہے ؎

ترک دنیا گیر تا سلطان شوی
ورنہ آں چرخی کہ سر گرداں شوی

(دنیا کو ترک کر دو تاکہ بادشاہ بن جاؤ ورنہ چکّی کی طرح سر گرداں رہے گا۔)

جملہ در بازو فروکن پائے راست
گر کفن راہ ہیچ نگذاری رواست

(سب کچھ ہار جاؤ اور پاؤں پھیلا دو۔ اگر کفن کے لئے بھی کچھ نہ رہے تو کوئی حرج نہیں۔)

اے بھائی! صرف اس فکر میں نہ لگے رہو کہ نفل نمازیں بکثرت ادا کرلیں یا نفل روزہ بہت زیادہ رکھ لیں بلکہ اس بات کی کوشش کرو کہ نفس کافر کو اکھاڑ پھیکو اور دنیا کی محبت دل سے ختم کردو، اس لئے کہ اس راہ کے لئے یہی رکاوٹ ہے۔

اہل طریقت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حق تک پہنچنے کی راہ نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں، نہ مغرب میں ہے نہ مشرق میں، نہ عرش میں، نہ کرسی میں، نہ لوح میں ہے نہ قلم میں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی راہ تو خود ہمارے اندر ہے۔ اس کو قرآن سے سنو: فی انفسکم افلا تبصرون[1] (خود تم میں ہے، تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں) اور صوفیوں کی زبانی یوں سنو ؎

چیزے کہ تو جویاں نشان اوئی
با تست ہمی تو جائے دیگر جوئی

(جس چیز کی تجھے تلاش ہے اس کا نشان تو خود ہے، وہ تو تیرے ہی ساتھ ہے، تو دوسری جگہ کیوں تلاش کر رہا ہے؟)

---

[1] الذاریات/۲۱

ایک بزرگ سے لوگوں نے دریافت کیا: حق سبحانہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ کتنی ہے؟ انہوں نے فرمایا: کائنات میں جتنے ذرات ہیں ان کی تعداد کے مطابق اس تک پہنچنے کی راہیں ہیں۔ مگر سب سے نزدیک اور سب سے زیادہ فائدہ بخش راہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچایا جائے، اس سے بڑھ کر کوئی راہ نہیں۔ میں نے اسی راہ سے پایا ہے اور اپنے مریدوں کو اسی بات کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ دولت وہ دولت ہے جو نفل نماز اور نفل روزے میں کہاں ہے!

ایک بزرگ کی مجلس میں لوگوں نے عرض کیا کہ اس ملک کا بادشاہ رات بھر جاگتا ہے اور نفل نمازیں بہت پڑھتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ بیچارہ اپنی راہ بھول گیا ہے اور دوسروں کے کام کو اپنے سر لے لیا ہے۔ لوگوں نے گذارش کی: یا شیخ! ایسا کیوں؟ فرمایا: اس کے لئے راہ سلوک یہ ہے کہ بھوکوں کو طرح طرح کی نعمتیں کھلائے، ننگوں کو قسم قسم کے کپڑے پہنائے، اجڑے دلوں کو آباد کرے اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ رات رات بھر جاگ کر نفل نمازیں ادا کرنا فقیروں کا کام ہے۔ ہر آدمی کو اپنے لائق کام کرنا چاہیئے۔

اے بھائی! ایک ٹوٹے ہوئے دل کو خوش کر دینا اور ایک تباہ و برباد یعنی پریشان دل کو آباد کر دینا اس بات سے بہتر ہے کہ رات بھر شب بیداری کی جائے۔ جانتے ہو، ہر ٹوٹی ہوئی چیز بے قیمت ہوتی ہے سوائے دل کے۔ یہ جتنا شکستہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کی قیمت بڑھتی جاتی ہے۔

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں یوں دعا کی: بار الہٰ! تجھے کہاں تلاش کروں؟ جواب ملا: ٹوٹے دلوں کے پاس۔ عرض کیا: خداوندا! میرے دل سے زیادہ کوئی دل شکستہ نہیں۔ جواب ملا کہ میں وہیں ہوں۔

واللہ اعلم بالصواب

مطبوعات مکتبۂ شرف

۱	مکتوبات صدی مکمل	از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیی منیریؒ	مترجم شاہ نجم الدین احمدؒ و شاہ الیاسؒ
۲	مکتوبات دوصدی مکمل	" "	مترجم شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخیؒ
۳	معدن المعانی	" "	" "
۴	شرح آداب المریدین	" "	" "
۵	مونس المریدین	" "	" "
۶	فوائد المریدین	" "	" "
۷	عقیدۂ شرفی	" "	" "
۸	اوراد دہ فصلی	از حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخیؒ	مترجم شاہ علی ارشد شرفی بلخی مدظلہ
۹	مکتوبات حسین (زیر طبع)	" "	" "
۱۰	مکتوبات بیست و ہشت	از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیی منیریؒ	" "
۱۱	خوان پر نعمت	" "	" "
۱۲	ارشاد السالکین و ارشاد الطالبین (رسالہ)	" "	" "
۱۳	اوراد شرفی	" "	مترجم حافظ محمد شفیع فردوسیؒ

شائع کردہ

مکتبۂ شرف۔ بیت الشرف خانقاہ معظم

بہار شریف (نالندہ)----۸۰۳۱۰۱